جلد 22 شمارہ 4 ماہ جون 2020ء شوال المکرّم 1441ھ
وَاذکر اسم ربک وتبتّل الیہ تبتیلا
اللہ
صداقت
محبّت
سِلسلہ عالیہ توحیدیہ
ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل
ماہنامہ
فلاحِ آدمیّت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض ومقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف وکرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب وعرفان اور اس کی رضا ولقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد وبغض، تجسّس وغیبت اور ہوا وہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم ورضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل وعیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالی کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح وخدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالی کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

فلاحِ آدمیت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

فلاحِ آدمیت

بیاد
خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
بانی سلسلہ

محمد صدیق ڈارؒ
بانی مجلّہ فلاح آدمیت

نگران و سرپرست اعلیٰ: جناب محمد یعقوب توحیدی
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
0344-9000042

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ

مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ

info@tauheediyah.com :ای میل Ph: 055-3411030

Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ -/30 روپے ✿✿✿ سالانہ فنڈ -/300 روپے

اس شمارے میں

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ .اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ علٰی سَیِّدِنَامُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ وَرَحۡمَۃُ اللِّلۡعٰلَمِیۡنَo والسَّلَامُ عَلَیۡنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیۡنَ .اَمَّا بَعۡدُ ! فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیم o

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ o

قابلِ صد احترام بھائیو! اور بیٹو ! السّلامُ عَلَیۡکُمۡ وَرَحۡمَۃُ اللّٰہ **وَبرکاتہ!**

رواں سال 2020 میں سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا سالانہ اجتماع کرونا وائرس کی وجہ سے نہ ہوسکا۔اس اجتماع کے جواَن گنت فوائد ہمیں حاصل ہوتے ہیں بیان سے باہر ہیں۔ اللہ کریم سے دُعا ہے کہ ہماری اس کمی کو محض اپنے فضل وکرم سے دُور فرمائے۔رابطے کی اس کمی کو کسی حد تک پورا کرنے کیلئے میں نے مناسب سمجھا کہ متبادل ذریعہ اختیار کیا جائے۔

آج کل پوری دنیا کرونا وائرس نامی بیماری کے خوف میں مبتلا ہے اور صورتحال اس درجہ سنگین ہو چکی ہے کہ حکومتوں نے شہریوں کو گھروں میں بند اور کاروباری مراکز کو لاک ڈاؤن کر رکھا ہے تا کہ یہ متعدی وائرس وسیع پیمانے پر نہ پھیلے۔اس بیماری کو منظرِ عام پر آئے چند ماہ ہو چکے ہیں اس لیے آہستہ آہستہ یہ رائے کافی Mature ہو چکی ہے کہ یہ وائرس لیبارٹری میں تیار کیا گیا ہے ۔ یہ آفت قدرتی ہے یا انسانوں نے پھیلائی ہے، یہ دونوں آراء ہی پائی جاتی ہیں۔حقیقت کیا ہے یہ آنے والا وقت ہی بتائے گا۔اگر یہ وائرس لیبارٹری میں تیار ہوا ہے تو جو فریق اس صورتحال کا Beneficiary ہوگا ایک عام انسانی عقل اسے ہی اس کا ذمہ دار ٹھہرائے گی۔مسلمان ہونے کے ناطے اس صورتحال میں ہم کیا کریں!

اس حوالے سے کچھ معروضات پیش خدمت ہیں۔

مصائب میں ہمارا روّیہ کیسا ہونا چاہیے:

کسی مصیبت یا خوشی میں انسانوں کا عمومی روّیہ یہ ہوتا ہے کہ فوری طور پر وہ کسی بھی واقعہ کے ''ظاہری عوامل'' پر غور کر کے نتیجہ نکالتے ہیں اور کسی بھی افتاد سے نپٹنے کے لیے صرف ظاہری اسباب ہی اختیار کرتے ہیں جبکہ مسلمانوں کا روّیہ مذکورہ طریقہ کار کے ساتھ ساتھ ایک اور فکری پہلو بھی رکھتا ہے کہ سبب جو بھی ہو مسبب بہر حال خدا ہے۔ ہم ہر طرح کے ظاہری اسباب اختیار تو ضرور کرتے ہیں مگر بھروسہ اور اُمید فاعلِ حقیقی، اللہ پر رکھتے ہیں یہ روّیہ اور اندازِ فکر انسانی کردار کو اتنی بلندی عطا کرتا ہے کہ اس کا حوصلہ پہاڑوں سے بلند اور ایمان اپنی انتہاؤں کو پہنچ جاتا ہے۔ قرآن کریم نے مصیبتوں کا فلسفہ اور مومن کا روّیہ کئی جگہ بیان کیا ہے۔ چند مقامات پیش خدمت ہیں:

(1) **مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَمَن يُؤْمِن بِاللَّهِ يَهْدِ قَلْبَهُ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ**۔(سورۃ التغابن: 11)

ترجمہ: ''نہیں پہنچتی کوئی مصیبت مگر اللہ ہی کے حکم سے اور جو اللہ پر ایمان لے آئے تو اللہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے''۔

(2) **قُل لَّن يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ** ۔(التوبہ: 51)

ترجمہ: ''کہہ دیجیے کہ ہمیں ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچے گا مگر جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دیا ہے وہ ہمارا مولا ہے اور ایمان والوں کو چاہیے کہ اللہ پر ہی بھروسہ رکھیں''۔

(3) **وَإِن يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِن يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا**

رَآدَّ لِفَضْلِهٖ یُصِیْبُ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔ (یونس 107)

ترجمہ: ''اگر اللہ آپ کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کو کوئی دور کرنے والا نہیں، مگر وہی۔ اور اگر وہ آپ کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرے تو کوئی اس کے فضل کو روک نہیں سکتا۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اپنا فضل پہنچاتا ہے اور وہ بہت بخشنے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے''۔

اسی طرح نبی مہربان ﷺ نے حضرت ابن عباسؓ (جبکہ وہ آپ ﷺ کے ساتھ سواری پر بیٹھے ہوئے تھے) کو مخاطب کر کے فرمایا:

''اے لڑکے! میں تجھے چند کلمات سکھاتا ہوں یہ کہ اللہ کو یاد رکھو! وہ تمہاری حفاظت کرے گا۔ اللہ کو یاد رکھو! تم اسے اپنے سامنے پاؤ گے۔ اللہ ہی سے مانگو۔ جب تم مدد طلب کرو تو اللہ ہی سے مدد طلب کرو اور یہ یقین جانو کہ اگر پوری دنیا والے تمہیں نفع پہنچانے کے لیے جمع ہو جائیں تو تمہیں اتنا ہی نفع پہنچا سکیں گے جتنا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لکھ رکھا ہے۔ اور اگر ساری دنیا والے تمہیں نقصان دینے پر تل جائیں تو اتنا ہی نقصان دے سکیں گے جتنا اللہ نے تمہارے لیے لکھ رکھا ہے۔ قلم اٹھا لیے گئے ہیں اور صحیفے خشک ہو گئے ہیں''۔ **(مسند احمد)**

مذکورہ حوالوں سے یہ پتا چلا کہ مصیبت کا چاہے ظاہری سبب جو بھی ہو، اللہ کے اِذن کے بغیر آپ تک نہیں پہنچ سکتی۔ اس عقیدے کو اختیار کرتے ہی بندے کا دھیان فوری طور پر اللہ کی طرف ہو جاتا ہے۔ اگر اس مصیبت میں خود اس کی کسی کوتاہی کا دخل ہو تو وہ اس کی اصلاح کرتا ہے وگرنہ خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے صبر کا دامن تھام لیتا ہے۔ اس لیے کرونا وائرس چاہے قدرتی آفت ہو یا Manmade یا کوئی اور مصیبت ہمارا رویّہ یہی ہونا چاہیے

جو مذکورہ آیات میں بیان ہوا ہے۔

عمل کے ساتھ بھروسہ کریں:

یہاں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ مسلمانوں کو کسی بھی سطح پر عمل سے پہلو تہی کی اجازت نہیں۔ بلکہ عملی سطح پر ہر اقدام اس مصیبت سے نکلنے کا کیا جائے اور فکری و قلبی سطح پر مذکورہ نظریہ اختیار کیا جائے۔ یہ نظریہ ایسا Safety Valve ہے جو انسان کو ہر قسم کے ڈپریشن سے اسی طرح بچاتا ہے جس طرح پریشر ککر کے ڈھکن میں نصب سیفٹی پن بھاپ کو خارج کر کے اسے پھٹنے سے بچاتی ہے۔

سیرت مطہرہ کے ہر پہلو میں یہ عقیدہ عمل کے ساتھ بندھا ہوا نظر آتا ہے۔ اس لیے جو مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ وہ اپنی کوتاہیوں یا بے عملی کو توکل کا نام دے کر بری ہو جائے گا تو یہ اس کی بھول ہے۔ اسی لیے بانی سلسلہؒ نے فرمایا ہے کہ "تقدیر کو ضرور مانو مگر عمل کے ساتھ"۔

اس لیے ہمارے ذمے اپنی تمام صلاحیتوں اور وسائل کا بھرپور استعمال کرتے ہوئے سارا بھروسہ خدائے وحدہ لاشریک پر کرنا ہے اور نہ صرف اس موجودہ مشکل کو بلکہ پوری زندگی کے اس خارزار کو بانی سلسلہؒ کی ہدایت کے مطابق (Optomist) یعنی رجائی بن کر عبور کرنا ہے۔

حقیقی توبہ کیا ہے:

موجودہ صورت حال میں ہر جگہ توبہ و استغفار کی بات ہو رہی ہے کہ خدا کی طرف رجوع کر کے اپنے گناہوں کی معافی مانگی جائے۔ تا کہ ہمیں اس مصیبت سے نجات مل جائے۔ یہ بات بالکل درست ہے کہ خدائے واحد ہی وہ ہستی ہے جو تمام جہانوں کی پکار

سنتا ہےاور محض اپنے فضل وکرم سے اس کارخانۂ ہستی کو چلا رہا ہے۔اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے کہ:

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِيْ أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ (غافر: 60)

ترجمہ: ''اور تمہارے ربّ نے فرمایا کہ تم مجھے پکارو میں تمہاری پکار کو قبول کروں گا بے شک وہ لوگ جو میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں عنقریب جہنم میں ذلیل ہوکر داخل ہوں گے''۔

اس آیت سے پتہ چلا کہ خدا کو پکارنا اور صرف اسی سے مانگنا ہی درحقیقت بندگی ہے اور جو اس کو نہیں پکارے گا، متکبر شار ہوگا اور سخت سزا پائے گا۔

مسلمانوں کی عظیم اکثریت تو بہ واستغفار کو زبان سے ادا کیے جانے والے چند الفاظ ہی سمجھتی ہے کہ چند جملے زبان سے پڑھ کر تسبیح کے دانے پھیر لیے تو توبہ مکمل ہوگئی۔ مگر قرآن کریم ان زبانی جملوں کو توبہ نہیں مانتا۔سورۃ الفرقان آیت 70 میں ارشاد ہے:۔

إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلاً صَالِحاً فَأُوْلَئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ۔

ترجمہ: ''مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا (اللہ کی بات مانی) اور عمل کیا، نیک عمل۔ تو یہی لوگ ہیں کہ اللہ ان کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے گا''۔

یہاں اور قرآن کے دیگر مقامات سے یہ بات بہت اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ اصل توبہ وہی ہوگی کہ پچھلے گناہوں پر ندامت کے ساتھ اور آئندہ صرف اللہ کا کہنا مانا جائے۔اب ہر مسلمان اپنے آپ کو اس معیار پر پرکھے کہ کیا وہ انفرادی سطح پر خدا کا ہر حکم مانتا ہے؟ جس بھی شعبہ زندگی سے تعلق رکھتا ہے کیا اس کے اخلاقی تقاضے پورے کر رہا ہے

؟نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آج پاکستان اور تمام عالم کے مسلمانوں کا مجموعی طرزِ عمل الّا ماشاءاللہ! خدا کی نافرمانیوں پر مشتمل ہے۔تو کیا ایسی صورت میں ہماری منہ زبانی کی گئی توبہ ہمارے کام آسکتی ہے! اگر ہم اپنے دعوے میں سچے ہیں تو ہمیں اپنی پسند و ناپسند کو چھوڑ کر اپنے آقا کا کہنا ماننا ہوگا۔اگر کوئی شوہر ہے تو اسے اپنے خاندان کے ساتھ نیکی اور اخلاص کا رویہ اپنانا ہوگا اگر بیوی ہے تو شوہر کی فرمانبرداری اور اپنی عصمت کی حفاظت کرنی ہوگی۔کہیں ملازم یا مزدور ہے تو اپنی ڈیوٹی ایمانداری انصاف اور خلوص کے ساتھ ادا کرنی ہوگی۔مالک ہے تو ملازمین کے ساتھ نرمی اور احسان کا برتاؤ کرنا پڑے گا۔عالم ہے تو لوگوں کو اپنے فرقے کی بجائے خدائے واحد کی طرف بلانا ہوگا۔تاجر ہے تو سچا اور امین بننا پڑے گا۔کوئی نگران ہے تو اسے امانت کا حق ادا کرنا ہوگا۔غرضیکہ توبہ اسی وقت توبہ سمجھی جائے گی جب بندے کا عمل اللہ کی مرضی کے مطابق ہوگا۔اگر ایسا نہیں ہے تو منہ سے چند الفاظ کی ادائیگی ایک دھوکہ ہے جو انسان خود اپنے آپ کو دیتا ہے۔

توبہ کیسے قبول ہوگی!

جب ہم کہتے ہیں کہ اللہ ہمیں معاف کردے یا ہماری توبہ قبول فرمائے تو لامحالہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ ہماری ہر قسم کی مشکلات کو ختم کردے اور دنیا و آخرت میں سرخرو کرے۔یہ خواہش فطری ہے اور ہر انسان میں پائی جاتی ہے مگر ہم نے دیکھنا ہے کہ کیا ہم نے اپنے حصے کا کام کیا ہے؟ تاکہ اس کے نتیجے کے طور پر اللہ تعالیٰ ہماری طرف نظرِ رحمت فرمائے۔ذیل میں انفرادی و اجتماعی سطح پر توبہ کی وضاحت کی گئی ہے۔

انفرادی سطح پر توبہ یہ ہے کہ اپنی تمام صلاحیتیں اور وسائل اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مرضی کے مطابق حاصل کیے جائیں اور بعد ازاں استعمال میں لائے جائیں

من مرضی چھوڑ کر مولا مرضی کی روِش اپنائی جائے۔معاشرے کا ہر فرد اپنے پاس موجود صلاحیت (چاہے وہ جسمانی ہو یا علمی ، روحانی، مالی ، ذہنی وغیرہ) کو اللہ کی امانت سمجھتے ہوئے ملک وقوم کی فلاح وبہتری کے لیے لگادے نہ کہ اس طاقت کو صرف اپنی مادّی لذات کے حصول کا ذریعہ سمجھے اور اس طرح قوم اور خدا کا مجرم بن جائے۔

اجتماعی سطح پر جب تو بہ کی بات کی جاتی ہے تو اس سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ بحیثیت اُمت عالمی سطح پر ہماری ذلت ورسوائی کا دور ختم ہو، ہم بھی اقوام عالم کی صف میں وقار کے ساتھ کھڑے ہوسکیں کیوں کہ ہم کئی صدیوں سے حالت غلامی میں ہیں۔بقول اقبالؒ:

؎ طعن اغیار ہے، رسوائی ہے، ناداری ہے

قبلہ انصاری صاحبؒ فرماتے تھے کہ قرآن میں ہر چیز کا ذکر ہے ماسوائے اس کے کہ غلامی میں کیسے رہا جائے ۔آپؒ اس کا جواب بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ قرآن پر عمل کرنے والے غلام رہ ہی نہیں سکتے کیونکہ قرآن کی تعلیمات دنیا وآخرت کی سرفرازی کا درس دیتی ہیں۔

اگر ہم واقعی اپنی موجودہ حالت بدلنے میں سنجیدہ ہیں تو ہمیں خدا کی اتاری ہوئی کتاب ہدایت کے مطابق اپنے دشمنوں کو پہچاننا اور ان سے مقابلے کے لیے جدید سے جدید تر وسائل اختیار کرنا ہوں گے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود ہمیں طریقہ بتا رہے ہیں کہ:

وَأَعِدُّواْ لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدْوَّ اللّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ لاَ تَعْلَمُونَهُمُ اللّهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنفِقُواْ مِن شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لاَ تُظْلَمُونَ.(الانفال: 60)

ترجمہ : ''اور تیار کرو(کافروں) کے لیے جتنی تم استطاعت رکھتے ہو قوت سے اور بندھے ہوئے گھوڑوں سے تا کہ تم اس سے اپنے اور اللہ کے دشمن کو ڈراتے رہو اور ان کے علاوہ کچھ دوسروں کو بھی جن کو تم نہیں جانتے ، اللہ انہیں جانتا ہے ۔اور جو تم کسی چیز سے اللہ کے راستے میں خرچ کرو تو اسے تمھاری طرف پورا لوٹا دیا جائے گا اس حال میں کہ تم ظلم نہیں کئے جاؤ گے۔''

یہ آیت ہمیں صاف صاف بتا رہی ہے کہ ہمیں جدید سے جدید لیبارٹریاں (جہاں حیاتیاتی ، کیمیائی ریسرچ ہو)سیٹلائٹ ، عالمی مالیاتی ونشریاتی ادارے،جدید جنگی جہازوں ،آبدوزوں وغیرہ کی تیاری کے لیے فیکٹریاں بنانی ہیں ۔یاد رہے کہ یہ سب کچھ ہمارا مذہبی فریضہ ہے۔

سیرت رسول ﷺ کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ آپ نے مسجد کی تزئین و آرائش کا اتنا تردّد کبھی نہیں کیا جتنا جہاد فی سبیل اللہ کے لیے کیا۔مذکورہ آیت ہمیں پیسہ خرچنے کا بہترین مصرف بھی بتاتی ہے کہ ان تمام شعبوں میں پیسہ لگانا ہی فی سبیل اللہ ہے ۔اور اسی آیت میں اس خرچ کا فائدہ بھی خدائے واحد بتا رہا ہے کہ ''تمھیں پورا بدلہ لوٹا دیا جائے گا کہ تم پر ظلم نہیں ہوگا''۔

یعنی دشمن تمہاری تیاری اور طاقت کی ہیبت کے زیر اثر یہ جرات ہی نہ کر سکے گا کہ تم پر حملہ آور ہو کر ظلم کرے۔آج مسلمانوں کا طرز عمل کیا اس آیت کے مطابق ہے۔ ہرگز نہیں ۔اسی لیے ہر مسلمان ملک الا ماشاءاللہ! کافروں کے ظلم و ستم کا شکار ہے اور ہم صرف منہ زبانی دعاؤں کے سہارے ان کے مظالم سے چھٹکارا چاہتے ہیں۔

بقول اقبالؒ:

؎ کر سکتی ہے بے معرکہ جینے کی تلافی
اے پیرِ حرم تیری مناجاتِ سحر کیا

یعنی اگر ہم دنیا میں عزت وسرخروئی کے ساتھ جینے کے آرزومند ہیں اور اپنی موجودہ پستی سے نکلنا چاہتے ہیں تو یاد رکھیں ایسے چھٹکارا کبھی نہیں ملے گا۔اس کے لیے توبہ کا وہی طریقہ اختیار کرنا ہوگا جو محولہ بالا آیت میں بتایا گیا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر ہم اپنے دعویٰ مسلمانی میں سچے ہیں تو ہمیں ملت کا درد محسوس کرنا اور اس کی سربلندی کیلئے سنجیدہ کوشش کرنی ہوگی۔وگرنہ دنیا میں تو رسوائی مقدر ہی ہے۔کل قیامت میں حضور اقدس ﷺ کو کیا منہ دکھائیں گے کہ آپ ﷺ کی اُمت گاجر مولی کی طرح کٹ رہی تھی اور ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے تھے۔اس لیے جتنی بھی کسی میں استعداد ہے،اس مشن میں Contribute ضرور کرے اور کچھ نہیں تو اس شعور کو عام کرے۔مساجد کی تزئین وآرائش اور دیگر رسومات پر روپیہ لگانے کی بجائے اپنی افواج کے ہاتھ مضبوط کیے جائیں اور انہیں جہاد فی سبیل اللہ کی مد میں پیسہ دیا جائے تا کہ واحد ایٹمی اسلامی ملک کی فوج یہود ونصاریٰ اور مشرکین کی یلغار کا مقابلہ مزید یکسوئی سے کر سکے۔

یہ ہے حقیقی اور عملی توبہ کہ جس کے بعد اللہ کی نعمتوں کے دروازے کھلتے ہیں اور اس کی طرف سے فضل ورحمت اور نصرت کا نزول ہوتا ہے۔

مشکلات ومصائب سے بچاؤ کے طریقے:

موجودہ صورتحال میں لاک ڈاؤن اور کرونا وائرس کی ہلاکت خیز خبروں نے لوگوں کی اکثریت کو Fobia اور ڈپریشن میں مبتلا کر دیا ہے۔لوگ ہمہ وقت گھروں میں

بند رہنے سے قید کے احساسات اور خوف کا شکار ہو چکے ہیں۔مختلف نوعیت کے گھریلو جھگڑوں میں اضافہ ہو چکا ہے۔ W.H.O. کے مطابق آنے والے دنوں میں پوری دنیا کو وسیع پیمانے پر جس بیماری کا سامنا کرنا پڑے گا وہ ڈپریشن ہے۔

اس لیے موجودہ صورتحال میں **ذہنی صحت** کو درست رکھنا اوّلین ضرورت ہے۔ نیز اگر ذہنی صحت بہتر ہوگی تو تبھی جسمانی صحت بھی درست رہے گی۔دماغ ہمارے پورے جسم کا کنٹرول روم ہے،اس میں جو سوچ پیدا ہوتی ہے بعدازاں وہی ہمارے جسم کو عمل پر آمادہ کرتی ہے اسی سوچ کے مثبت یا منفی ہونے کی وجہ سے دماغ میں مختلف کیمیکل بنتے ہیں جو ہمارے جسمانی وجود پر اثرات رکھتے ہیں انہی اثرات میں سے صحت مندی اور بیماری دو بڑے اثرات ہیں۔ذہنی طور پر مضبوط اور صحت مند بننے کے لیے درج ذیل طریقے اپنانا ہوں گے۔

(ا) ذہنی صحت کے حصول کا پہلا طریقہ : ذکرالٰہی۔

ذہنی صحت کو بہتر بنانے کے لیے سب سے اوّلین نسخہ اللہ کے اسماء کا ذکر ہے۔ اللہ کا ذکر مستقل کرنے والے یقیناً اس نسخے کے فوائد سے بخوبی آگاہ ہیں۔(یہ مستقلاً ایک الگ موضوع ہے جس پر بات کرنے کا یہاں موقع نہیں۔یہاں صرف ایک قرآنی حوالہ پیش کرتا ہوں)اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

الَّذِيْنَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُم بِذِكْرِ اللّهِ أَلاَ بِذِكْرِ اللّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ. (الرعد 28)

ترجمہ : ''اور ایمان والوں کے دل اللہ کی یاد سے اطمینان پا گئے ہیں،خبردار ہو جاؤ کہ دل اللہ کے ذکر سے ہی اطمینان پاتے ہیں''۔

معلوم ہوا کہ مومن ہوتا ہی وہی ہے جس کا قلب مطمئن ہو اور قلب صرف اللہ کے ذکر سے ہی مطمئن ہوتا ہے۔

دنیا کا کون سا انسان ہے جو سکون نہیں چاہتا۔اس لیے ہر مسلمان کو چاہیے کہ اسمائے الٰہیہ کے ذکر کو اپنے روزانہ کے معمولات کا لازمی حصہ بنائے اور بانی سلسلہ توحیدیہؒ کے بتائے ہوئے اذکار خصوصاً ''پاس انفاس'' کی مشق شروع کرے۔ کچھ ہی عرصے میں آپ کو اپنی ذات اور اپنے مالک کے درمیان تنے ہوئے پردوں کے خاتمے کا احساس ہوگا اور ذہنی صحت قابل رشک ہو جائے گی۔

یہاں ضمناً یہ ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ ذکر کرنے کے باوجود ان کے اثرات سے کما حقہ فائدہ نہیں اٹھا پاتے اور اطمینان قلبی سے محروم رہتے ہیں۔ اس کی وجہ بانی سلسلہؒ اپنی کتاب چراغ راہ میں یوں بیان کرتے ہیں۔

''ذکر کا حسب دل خواہ فائدہ اس وقت ہو سکتا ہے جب کہ دنیا کے تمام تفکرات و آلام کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے بےفکر ہو جائے کہ جو کچھ اس کو کرنا ہے وہی ہوگا اور اسی میں ہمارا فائدہ ہے اور آنے والی مصیبتوں کو اگر کوئی ٹال سکتا ہے تو صرف اللہ ہی ٹال سکتا ہے۔لہٰذا اسی سے دعا کرو اسی کے آگے روؤ اور اسی سے مانگو جو مانگنا ہے ہرگز کسی زندہ یا مردہ بزرگ سے استعانت نہ چاہو۔اس کا ڈائریکٹ تعلق اپنے ہر بندہ کے ساتھ ہے۔وہ سمیع ہے، بصیر ہے، مجیب الدعوات ہے۔اگر اس پر بھی تمہاری دعا قبول نہ ہو تو سمجھ لو کہ جو کچھ تم مانگ رہے ہو، خدا اسکو تمہارے لیے اچھا نہیں سمجھتا۔لہٰذا اپنی مرضی کو اسی کی مرضی کے سپرد کر دو اور جو کچھ بھی ہو اسی پر خوش رہو۔کیا مسلمان ہو کر یا توحیدی بن کر تم نے خدا سے یہ ٹھیکہ کر لیا ہے کہ جب تک وہ تمہاری مرضی کے مطابق کام کرتا رہے اس وقت تک وہ تمہارا خدا اور تم اس کے

بندے ہواور جب کوئی کام وہ تمہاری مرضی کے خلاف کرے تو پھر کس کا خدا اور کس کی بندگی ؟ **لا حول ولا قوۃ الا باللہ** ۔لعنت ہے ایسی بندگی پر‘‘۔

ذہنی صحت کو بہتر بنانے کا دوسرا طریقہ، مثبت سوچ

مثبت سوچ انسانی دماغ کے صحت مند ہونے کی علامت ہے جب کہ منفی سوچ بیمار دماغ کی۔ جو آدمی جتنا مثبت سوچے گا اس میں اتنی ہی زیادہ خوبیاں پیدا ہوں گی۔ مشکل حالات سے نکلنے کے لیے مثبت سوچ بنیادی کام دیتی ہے۔اس حوالے سے بہت سی مثالیں ،واقعات اور ضرب الامثال ہم سنتے رہتے ہیں۔ میں یہاں قرآن کا ایک حوالہ عرض کرتا ہوں سورت توبہ میں غزوہ تبوک (9 ہجری) کا کافی تذکرہ ہوا ہے۔اس غزوہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے صلائے عام کی گئی کہ ہر مسلمان اس میں اپنی جان و مال کے ساتھ شریک ہو۔اس وقت گرمی اپنی انتہاؤں پر تھی۔ کھجور کی فصل پکی ہوئی تھی۔ سفر بہت لمبا ،سواریوں اور خوراک کی شدید قلت اور مقابلہ وقت کی سپر پاور کے ساتھ تھا۔ بظاہر ایسا لگتا تھا کہ یا تو راستے کی مشکلات کے سبب وگرنہ جنگ کی صورت میں یقیناً موت سے سامنا ہوگا۔ ان حالات میں اللہ نے منافقین کے قدموں کو بوجھل کر دیا اور انہوں نے جھوٹے عذر تراش کر آپ ﷺ سے رخصت حاصل کر لی ، اللہ ان کے منفی رویوں کے اثرات کا ذکر یوں فرماتے ہیں۔

لَوْ خَرَجُوا فِيكُم مَّا زَادُوكُمْ إِلَّا خَبَالاً وَلأَوْضَعُواْ خِلاَلَكُمْ يَبْغُونَكُمُ الْفِتْنَةَ وَفِيكُمْ سَمَّاعُونَ لَهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ۔ (توبہ 47)

ترجمہ : ’’اگر وہ (منافق) تمھارے ساتھ (سفر جہاد میں شامل ہوکر) نکلتے تو تمہارے درمیان فتنہ ڈالنے کے لیے ضرور بھاگ دوڑ کرتے ۔اور تم میں (عام مسلمانوں میں کچھ

لوگ) کان لگا کر ان کی باتوں کو سننے والے ہیں اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔"

اس آیت سے بخوبی پتا چل گیا کہ منفی سوچ رکھنے والے کی (Company) معیت زہر قاتل ہے وہ آپ کے ارادوں کو سست اور کمزور ایمان والوں کو نکما کر دیتے ہیں۔ اس لیے ہمیں یہ سبق ملا ہے کہ اگر ہم ذہنی مسائل اور پریشانیوں سے بچنا چاہتے ہیں تو ایسے مایوس اور منفی سوچ والوں کی Company خصوصاً میڈیا سے گریز کریں۔ یہ لوگ پھپھوندی لگا سیب ہیں جو تازہ سیبوں کو بھی داغ لگا دیتے ہیں۔

چراغ راہ خطبہ 9 میں انصاری صاحبؒ نے رجائیت اور قنوطیت کے بارے میں انتہائی اہم نقطے بیان فرمائے ہیں۔جن کا خلاصہ یہ ہے کہ "رجائی Optimist بندے کا قلب ایک طاقتور ٹرانسمیٹر کی مانند کام کرتا ہے۔جس آدمی کا قلب نیکی، مثبت سوچ اور خدا کے ساتھ تعلق کی وجہ سے طاقتور ہوتا ہے جو قرآن کے حکم کے مطابق ہمیشہ اور ہر طرح کے حالات میں خوش اور پر امید رہتا ہے۔اس کے قلب سے ایسی لہریں نکلتی ہیں جو اس کے ماحول میں رہنے والے افراد کی ذہنی حالت پر اثر انداز ہوتی ہیں۔یہی لہریں وہ طاقت ہیں جن کی وجہ سے ایک اللہ والا اپنے پاس بیٹھنے والوں کی اصلاح کا کام لیتا ہے۔جبکہ دوسری طرف مایوس اور قنوطی شخصیت کا قلب رنج والم اور رحمت خدا سے مایوسی کی وجہ سے نہایت کمزور ہوتا ہے۔انہیں نہ تو کوئی عزیز رکھتا ہے اور نہ کہا مانتا ہے۔وہ ہمیشہ نا کام و نا مراد رہتا اور اسی حالت میں مر جاتا ہے"

یہ سب بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ "اب آپ کی مرضی ہے کہ رجائی بن کر خوشی خوشحالی اور کامیابی کی زندگی بسر کریں یا قنوطی بن کر نا کام و نا مراد مر جائیں"

ذہنی صحت کو بہتر بنانے کا تیسرا طریقہ : مضبوط قوت ارادی

موجودہ حالات اور ہر طرح کے مشکل حالات سے نپٹنے کے لیے ایک اور طریقہ مضبوط قوت ارادی یا Will power بھی ہے۔ بیشتر لوگ ایسے ہوتے ہیں جو صرف خیالی پلاؤ پکاتے رہتے ہیں اور مصائب سے نپٹنے کے لیے کوئی عملی اقدام نہیں کرتے۔ نتیجتاً ڈپریشن کا شکار ہو کر خاندان اور معاشرے پر بوجھ بن جاتے ہیں۔ ان لوگوں میں ارادے کی کمزوری ہوتی ہے جس کو دور کرنے کے لیے بانی سلسلہؒ نے چند مشقیں بتائی ہیں کہ کسی معمولی سی بات کو، جس کا کرنا آپ کے لیے انتہائی آسان ہو، اپنے اوپر لازم کر لیں مثلاً جب سونے لگیں تو کسی معمولی چیز یا کسی کرسی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر کسی خاص جگہ پر رکھ دیا کریں تب سوئیں۔ اب آپ روزانہ کرسی کو اٹھا کر اسی خاص جگہ پر رکھ دیا کریں یہاں تک کہ آپ کو اس کی عادت ہو جائے یعنی بغیر ارادہ کیے عادتاً ایسا کرنے لگیں۔ اس کے بعد آپ اس کام کو چھوڑ کر کوئی ذرا مشکل کام اپنے اوپر لازم کر لیں۔ مثلاً یہ کہ جب تک آپ اپنے کمرے یا صحن میں پورے سو قدم گن کر ٹہل نہ لیں اس وقت تک ہرگز نہ سوئیں۔ جب یہ بھی ہو جائے تو گھڑی دیکھ کر پورے دس یا پندرہ منٹ ٹہلنا یا کچھ پڑھنا لازم کر یں۔ یہ بھی ہو جائے تو پھر لازم کر لیں کہ روزانہ وضو کر کے سویا کریں۔ یہ بھی ہو جائے تو وضو کے بعد دو نفل پڑھنا بھی لازم کر لیں اس کے بعد دنیا کے کاموں میں کوئی مشکل سا کام منتخب کریں اور دو چار سال یونہی کرتے رہیں۔ آخر میں آپ دیکھیں گے کہ انہیں چھوٹی چھوٹی باتوں سے آپ کی قوت ارادی اتنی طاقتور ہو جائے گی کہ دنیا کا کوئی کام آپ کے لیے مشکل نہ رہے گا۔ مگر شرط یہ ہے کہ آپ دل سے یہ سب کچھ کرنا چاہتے ہوں، اپنے آپ کو دھوکا نہ دے رہے ہوں۔ (چراغ راہ خطبہ 6، صفحہ 154)

میڈیا ایک جنگی ہتھیار:

ایک وقت تھا کہ طاقتور یورپی اقوام ملکوں کے وسائل پر قبضے کے لیے جنگ کا راستہ اختیار کرتیں اور مفتوح علاقے کے لوگوں کو جسمانی طور پر غلام بنا لیتیں۔بعد ازاں نوآبادیات کا دور ختم ہوا اور سفید چمڑی والے حکمرانوں کی بجائے متعلقہ قوم میں سے ہی کٹھ پتلیوں کو حاکم بنا کر اپنے مفادات حاصل کیے جانے لگے۔نیز عالمی مالیاتی اور دیگر ملٹی نیشنل ادارے بنا کر ملکوں پر ترغیب، دھونس اور فحاشی کے ذریعے اپنا ایجنڈا نافذ کیا جانے لگا انہی اداروں میں سے ایک موثر ترین ادارہ آجکل میڈیا بھی ہے۔عالمی نشریاتی ادارے اس ضمن میں اتنا آگے جا چکے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔انسانی نفسیات پر قبضہ جما کر انہیں اپنی مرضی پر چلانا اس طریقے سے اتنا آسان اور موثر ہوگیا ہے کہ جس میں نہ جنگ و جدال کی طرح پیسہ لگتا ہے نہ ہی جانیں گنوانی پڑتی ہیں یعنی ''ہینگ لگے نہ پھٹکری اور رنگ بھی چوکھا'' والی بات ہے۔آج مسلمان ممالک کی بدنصیبی یہ بھی ہے کہ عالمی ذرائع ابلاغ میں ایک بھی موثر ادارہ ایسا نہیں جو مسلمانوں کا ہو یا ایسا ہو جو غیر جانبدار ہو۔بظاہر یورپی نظر آنے والے نشریاتی اداروں کے ڈانڈے یہودی ساہوکاروں سے جا ملتے ہیں جو ان کو اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے استعمال کرتے ہیں۔بقول اقبالؒ

؎ فرنگ کی رگ جاں پنجہ یہود میں ہے۔

قرآن کریم نے ہمیں خبر کی تصدیق کرنے کا حکم دے کر پروپیگنڈہ کی جڑ کاٹ دی ہے۔ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ (الحجرات:6)

ترجمہ : ''اے ایمان والو جب تمھارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو اس کی خوب تحقیق کرلیا کرو مبادا کہ تم کسی قوم کو نادانی میں تکلیف پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کئے پر نادم ہونے لگو''۔

اس آیت کا شان نزول

مذکورہ آیت میں فاسق کی لائی ہوئی خبر کی تصدیق کا حکم دیا گیا ہے۔قرآن میں بہت سے مواقع پر فاسقین کی وضاحت کی گئی ہے۔جن میں سے ایک جگہ حضرت موسیٰ اپنی قوم سے کہتے ہیں کہ:

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ لِمَ تُؤْذُونَنِي وَقَد تَّعْلَمُونَ أَنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۔(سورۃ الصف آیت 5)

ترجمہ: ''جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ تم مجھے کیوں اذیت دیتے ہو جب کہ تم جانتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں تمھاری طرف، پھر جب وہ ٹیڑھے ہو گئے تو اللہ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا اور اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا''۔

اس آیت میں جنھیں قرآن فاسق کہہ رہا ہے وہ حضرت موسیٰ کے مخاطب یہودی ہی ہیں۔اور سورۃ حجرات میں خبر لانے والے کو بھی فاسق کہا گیا ہے جب کہ آج کل میڈیا بھی انہی یہودیوں کا ہے۔کیا یہ محض ایک اتفاق ہی ہے۔؟یا اولی الالباب کے لیے غور و فکر کا موقع۔

موجودہ صورتحال میں میڈیا کا کردار انتہائی مایوس کن بلکہ مجرمانہ ہے اگر چہ کرونا کی بیماری پائی جاتی ہے مگر رائی کو اتنا بڑا پہاڑ بنا کر پیش کیا گیا ہے کہ بڑے بڑوں کی عقل ماری گئی ہے۔خبر کے منفی پہلوؤں کو اتنی بار نشر کیا جاتا ہے کہ وہ انسانی ذہن سے چپک جاتی ہے ہر آدمی یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ اس بیماری کا شکار ہے۔خوف کی ایسی فضا طاری کر دی گئی ہے

کہ انسان گھر سے باہر جھانکتے ہوئے بھی ڈرتا ہے۔ اسے خواب میں بھی تابوت اور لاشیں نظر آتی ہیں۔یہی صورتحال بڑھتے بڑھتے کئی نفسیاتی مسائل کا سبب بن جاتی ہے۔

اس بیماری کے حقیقی اعداد و شمار کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ تندرست ہونے والوں کی شرح 95 سے 98 فیصد ہے۔قوت مدافعت میں اضافے اور مناسب حفاظتی اقدامات کے ساتھ اس بیماری کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔مگر میڈیا کی طاقت کا کمال دیکھیں کہ بڑی بڑی عالمی طاقتوں نے اس کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے۔روزانہ کی بنیاد پر ہزاروں لوگوں کے بیماری میں مبتلا ہونے اور مرنے کی خبریں نشر کی گئیں۔(یہ علیحدہ بات ہے کہ ان کی شفافیت پر سوالات اٹھنے لگے ہیں اور پتہ چل رہا ہے کہ ان میں بیشتر جھوٹی ہیں) خبر کو نشر کرنے کے حوالے سے قرآن یہ اصول بتاتا ہے کہ برائی کا پرچار کھلم کھلا نہ کرو۔

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ (النساء 148)

اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ بری بات اعلانیہ کی جائے"

لیکن آج کل کے میڈیا نے اپنی بنیاد ہی اس حکم کے خلاف رکھی ہوئی ہے۔انہوں نے تہیہ کر رکھا ہے کہ ہر منفی خبر کو مرچ مصالحہ لگا کر آزادی رائے کی آڑ میں ہماری نسلوں کو تباہ کرنا ہے۔یہاں چند حقائق سے یہ واضح ہو جائے گا کہ میڈیا کو صیہونی طاقتیں بطور ایک" آلہ جنگ" کس خوبی سے استعمال کر رہی ہیں۔خبروں کے مطابق کرونا سے مرنے والوں کی تعداد پوری دنیا میں لاکھ سے کم ہے(اس کی صداقت بھی اگرچہ مشکوک ہے)جب کہ عراق میں 20 سال سے مسلط جنگ میں 10 لاکھ سے زائد مسلمانوں کا خون بہہ چکا ہے۔افغانستان میں 6لاکھ سے زائد،شام میں بھی یہ تعداد لاکھوں میں ہے۔اپاہج اور بے گھر ہونے والے بھی Millions میں ہیں۔کئی ہزار شامی مہاجرین سمندر میں غرق ہو چکے ہیں۔اسی طرح

لیبیا، کشمیر، فلسطین، برما اور پاکستان میں ان کی تعداد لاکھوں کے ہندسوں میں ہے۔اگر میڈیا کے پیشِ نظر سچ اور حالات حاضرہ کی رپورٹنگ ہے تو کیا ان ممالک کی تباہی کی رپورٹنگ اس معیار پر پورا نہیں اترتی۔نہیں۔۔۔ بلکہ سچ یہی ہے کہ یہ ایک جنگ ہے۔جس میں عالم کفر(**الکفر ملۃ واحدہ**۔الحدیث)اپنی پوری تیاری اور نفرت کے ساتھ میدان میں ہے۔ان کی حقیقت قرآن کریم ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ (آل عمران 118)

یقیناً ان کے منہ سے دشمنی ظاہر ہو چکی ہے اور جو(کینے)ان کے سینے چھپائے ہوئے ہیں (وہ اس سے بھی)بہت زیادہ ہے۔

مزید برآں عراق۔شام اور لیبیا سے نکلنے والا تیل اور دیگر وسائل ان سالوں میں لوٹ کر کہاں لے جائے گئے۔کسی عالمی میڈیا نے ان واقعات کو اتنی اہمیت بھی نہیں دی جتنی ایک جانور کی موت کو دی جاتی ہے گویا مسلمان کا خون ان کے نزدیک کسی انسان کا خون ہے ہی نہیں۔بقول اقبالؒ:

ہو گیا مانند آب ارزاں مسلماں کا لہو
مضطرب ہے تو کہ تیرا دل نہیں دانائے راز

میڈیائی جنگ کی ایک اور مثال 9/11 کا واقعہ ہے۔یہ بات اب اظہر من الشمس ہو چکی ہے کہ ٹوئن ٹاورز کو خود انہی طاقتوں نے گرایا اور بغیر کسی تحقیق یا ثبوت کے preplan منصوبے کے تحت 40 ملکوں کی فوج لے کر افغانستان کو خاک وخون میں نہلا دیا۔لیکن وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ (آل عمران 54)''انہوں نے تدبیر کی اور اللہ نے بھی تدبیر کی اور اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے''ان گھمنڈیوں کے غرور

کو اللہ نے سوکھی روٹی کھانے والے افغان درویشوں کے ذریعے خاک میں ملا دیا۔ دنیا کے حکمرانوں اور so called civilized ممالک کی 2000 ارب ڈالر جھونکنے کے باوجود بدترین شکست اس صدی کا سب سے بڑا واقعہ ہے۔ مگر شیطان کے پجاریوں نے دنیا کو اس کی ہوا بھی نہیں لگنے دی۔ المختصر میڈیائی ہتھیار کے ذریعے ہماری نسلوں کو بے حوصلہ، کوتاہ فہم، بے حیا، بزدل اور ہر طرح کی اخلاقی خوبی سے بے بہرہ کیا جا رہا ہے۔ موت کے خوف کا ایسا جال بن دیا گیا ہے جو خود موت سے برا ہے۔ ''ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ جو جانور کو ذبح کرنے کے لیے اس کے سامنے چھری تیز کر رہا تھا آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اس کو مرنے سے پہلے ہی مارنا چاہتے ہو''

چاہیے تو یہ کہ جن مسلمانوں کے پاس وسائل ہیں وہ ان کو بروئے کار لائیں اور ایسے چینل بنائیں جو اس شیطانی میڈیا کا مقابلہ کر سکیں اور ہر قسم کی تفریق سے بالاتر ہو کر امت کی فلاح کے لیے کچھ کریں جتنی دیر یہ نہیں ہوتا کم از کم اپنے خاندان کو میڈیا کے زہریلے اثرات سے بچانے کے لیے اسے گھر سے نکال دیں یا کم از کم کنٹرول کریں۔

موجودہ صورتحال کا روشن پہلو

کرونا وائرس کے ضمن میں جاری اس لاک ڈاؤن کے مثبت پہلوؤں میں ایثار کا پہلو بہت نمایاں ہے۔ مخیّر حضرات نے آگے بڑھ کر محروم بھائیوں کی جس طرح مدد کی ہے، لائق صد ستائش ہے۔ میرے علم میں کئی ایسے افراد ہیں جنھوں نے بڑھ چڑھ کر اپنے ارد گرد پائے جانے والے مستحق افراد کے ساتھ ہر طرح سے تعاون کیا ہے۔ سماجی سطح پر یہ رویہ اتنا اچھا ہے کہ بڑے بڑے مہذب ممالک میں عنقا ہے۔ سن 2000ء میں، میں نیو یارک میں تھا۔ فٹ پاتھ پر چلتے ہوئے میرے آگے ایک خاتون پالتو کتا لیے جا رہی تھی کہ اچانک اس

نے غلاظت کردی۔خاتون نے اس کو ٹشو پیپر سے پکڑ کر ساتھ موجود کوڑے کے ڈرم میں پھینک دیا اور چل دی۔فوری بعد ایک مفلوک الحال شخص آیا اور اسی ڈرم میں ہاتھ مار کر کچھ تلاش کرنے لگا۔اس کے ہاتھ میں بریڈ کا ایک ٹکڑا لگا جسے کھا کر اس نے اپنی بھوک مٹائی۔

اللہ کا شکر ہے کہ ہمارے معاشرے میں آج بھی بھوکے کو لاکھوں لوگ ہر وقت روٹی کھلانے کے لیے تیار ہیں۔

قوت مدافعت کو بڑھائیں

اگر ہم اپنی قوت مدافعت کو مضبوط کریں تو نہ صرف کرونا بلکہ دیگر کئی بیماریوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔اس ضمن میں سب سے پہلے کرنے والا کام "اعتدال" Balance ہے کھانے،سونے اور کام کے درمیان اعتدال اس قوت میں اضافے کا بنیادی ذریعہ ہے۔ (۱) رات کو دیر سے سونے اور صبح دیر سے جاگنے سے جسم میں ایسی کیمیائی تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں جس سے انسان بیمار پڑتا ہے (۲) کھانے میں سادہ زود ہضم اور بقدر ضرورت غذا کا اصول بھی بہت مفید ہے۔لاک ڈاؤن کی وجہ سے دیگر بیماریوں سے ہونے والی اموات خاطر خواہ کم ہو چکی ہیں۔جس کی ایک وجہ بازاری کھانے سے پرہیز ہے۔(۳) طب نبوی میں ایسی کئی اشیا ہیں جن کا استعمال قوت مدافعت میں اضافے کا سبب بنتا ہے۔ان میں زیتون کے استعمال کے بے تحاشہ فوائد سامنے آئے ہیں۔زیتون کے تیل کا ایک چمچ رات سوتے وقت منہ میں اچھی طرح گھما کر پی لینے سے دانتوں، گلے اور معدے کے بیشتر امراض میں فائدہ پہنچتا ہے۔(۴) زیتون کے تیل کے دو تین قطرے ناک کے دونوں طرف ٹپکائیں تو ناک اور اس کے ذریعے گلے تک پہنچ جانے والے بیکٹیریا ختم ہو جاتے ہیں۔چھوٹے بچوں کو اکثر گلے کے مسائل کا سامنا رہتا ہے۔اگر رات سوتے وقت

زیتون کامذکورہ طریقوں سے استعمال کیا جائے تو انشاءاللہ ان امراض سے نجات مل جائے گی
۵) کلونجی کے چند دانے نہار منہ لینے سے بھی الرجی (ناک آنکھوں سے پانی چھینکیں) کو آرام آجاتا ہے۔اس کے چند دانے ہنڈیا میں بھی ڈالے جاسکتے ہیں (۶) کھجور ایک مکمل غذا ہے۔اس کا مستقل استعمال بھی انسان کو تندرست وتوانا رکھنے میں معاون ہے۔(۷) حضور اقدس ﷺ نے فرمایا''سرکہ بہترین سالن ہے''دیسی طریقے پر بنا ہوا سرکہ سالن یا سلاد کے ساتھ استعمال کیا جائے تو یہ بھی انتہائی مفید ثابت ہوتا ہے۔(۸) بھاپ لینا بھی ایک فائدہ بخش طریقہ ہے اسکے ذریعے بھی ناک اور گلے کے ورم اور نظام تنفس کی اصلاح ہوتی ہے۔نیز کرونا کے مرض میں اس طریقے سے لوگوں کو نفع ہوا ہے۔(۹) ہمارے جسم میں پائے جانے والے سوراخ جراثیم کے داخلے اور پہنچنے کی جگہیں ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ہمیں وضو کا طریقہ بتا کر ہمیں روحانی وجسمانی طہارت کا ایک انتہائی قیمتی نسخہ عطا کیا ہے۔ وضو کے دوران ان تمام سوراخوں کو دھونے سے کئی اقسام کے جراثیم تلف ہو جاتے ہیں۔ اس لیے مکمل وضو کا اہتمام کریں۔

اور اگر مستقلاً باوضو رہنے کا اہتمام کر سکیں تو یہ بھی کئی قسم کے نفع کا سبب ہے۔
الغرض سیرت رسول ﷺ کا مطالعہ کرنے سے آپ کے جو معمولات ہمیں پتہ چلتے ہیں، اگر ان کو اپنانے کی بساط بھر کوشش کی جائے تو یقین جانیں کہ ہمارے بدنی و روحانی ہر دو اقسام کے مسائل حل ہو جائیں۔

رمضان المبارک:

اللہ تعالیٰ کی عنایت کا بے پایاں مظہر رمضان المبارک ہم پر سایہ فگن ہو چکا ہے
حضور اقدس ﷺ کے بارے میں آتا ہے کہ جب رمضان آتا تو آپ ﷺ کمر کس لیتے۔

آپ ﷺ کا فرمان ہے جس نے ایمان اور احتساب کے ساتھ روزے رکھے اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔ رمضان سے فائدہ وہی اٹھا سکتا ہے جو اخلاص کے ساتھ بھرپور محنت کرے۔ آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق بہت سے روزہ دار ایسے ہیں جنہیں سوائے بھوک اور پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ لہٰذا میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ نیک اعمال کے ساتھ ساتھ اپنا مسلسل احتساب بھی کرتے رہا کریں۔ اس ضمن میں کرنے کے کام یہ ہیں۔ اپنے اخلاق پر بھرپور نظر رکھیں۔ یہ دھیان رہے کہ آپ کے ہاتھ اور زبان سے کسی کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ دن میں روزہ رکھیں اور رات کو قیام کا اہتمام کریں۔ صدقات وخیرات کا خاص طور پر اہتمام کریں۔ قرآن کی رمضان کے ساتھ خاص نسبت ہے۔ اگر آپ اس ماہ میں قرآن فہمی کی کوشش کریں گے تو لازماً اس میں سے بہت بڑا حصہ پائیں گے۔ ذکر باقاعدگی اور جوش سے کریں، پاس انفاس کا بطور خاص دھیان رکھیں۔ تہجد کا اہتمام کریں۔ الغرض جب شوال کا چاند طلوع ہو تو آپ اپنے آپ کو ایک بدلا ہوا انسان پائیں۔

میرے عزیز بھائیو اور بیٹو! ہمارے ذکر، مجاہدوں، روحانی اشغال، غرض یہ کہ ہر نیکی تبھی مقبول بارگاہ ہے جب ہمارا دل اُمت کے ساتھ دھڑکے اور اگر ایسا نہیں تو ہمارے روحانی کوائف واحوال پر ایک بہت بڑا سوالیہ نشان ہیں۔ علامہؒ اسی بابت فرماتے ہیں:

یہ حکمت ملکوتی ، یہ علم لاہوتی
حرم کے درد کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

بانئ سلسلہ انصاری صاحبؒ نے بھی فرمایا ہے کہ اگر کوئی بزرگ روحانیت کے اعلیٰ سے اعلیٰ مدارج حاصل کرنے کے بعد بھی امت محمدیہ کی اجتماعی ترقی اور کامیابی کے لیے کچھ نہ کرے تو وہ اپنی ذات کے لیے سب کچھ ہوتے ہوئے بھی ملت اسلامیہ کے لیے بیکار ہے''۔

آیئے! اب اللہ سے دُعا کریں کہ اللہ ہمیں حقیقی ایمان نصیب فرمائے۔ اپنی محبت اور پیارے حبیب ﷺ کے اتباع کی توفیق دے۔ ہم اس قابل بن جائیں کہ اللہ کی محبت اور قرآن کے پیغام کی اس دعوت کو عام کرنے کے لیے اپنی ساری صلاحیتیں اور وسائل کھلے دل سے لگا دیں۔ اللہ ہمیں دنیا و آخرت میں کامیابی و سرفرازی نصیب فرمائے۔ آمین

والسلام

خادم الخدام

محمد یعقوب توحیدی

مرکز تعمیر ملت گوجرانوالہ

نقوشِ مہر و وفا

(فرمودات قبلہ بابا جان محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ)

(مرتب: سید رحمت اللہ شاہ)

ایک بھائی نے بابا جانؒ کو سائپرس جانے کا بتایا تو بابا جانؒ نے بتایا کہ سائپرس ہم بھی گئے۔انگلینڈ جاتی دفعہ ایک دو رات ٹھہرے ہیں۔انگلینڈ گئے تو ادھر سائپرس میں ہمارا قیام تھا۔ ادھر سے بحرین، بغداد، پھر مالٹا۔مالٹا سے سائپرس (Cyprus)، آگے فرانس۔ ہمارے پاس پرانا جہاز تھا۔Prister flatter تھا پرانا ایک ٹرانسپورٹ کا C-130 سے پہلے جو برطانیہ کا جہاز تھا۔ٹریننگ تھی Cross country تو اس پر ہم گئے۔ہم سائپرس ٹھہرے۔یہاں کوروں کا ایک بیس تھا۔عموماً یہ United Kingdom جو دولت مشترکہ کے بیس تھے اس پر یہ Facility ہوتی تھی کہ جہاں بھی ان کے بیس ہوں، وہاں آپ ٹھہر سکتے ہیں۔تو وہاں سائپرس میں ہم بھی رہے۔

بازار بھی گئے،تھوڑا ٹائم تھا۔Flatter بڑا Slow speed جہاز تھا۔جاتے جاتے شام ہو جاتی۔جا کے پٹرول ڈالو اور فریش ہو جاؤ کل کی فلائیٹ کے لئے تیار رہو۔وہاں باہر چلے گئے ہوٹل سے کہ چلو شہر تو دیکھ آئیں۔آئے ہوئے ہیں۔دوسرے دن صبح صبح ہم جلدی چلتے تھے۔ناشتہ جلدی کیا،وہاں ہوٹل میں ساتھ ہی تھے۔ایئرپورٹ سے Lunch box لے لیتے تھے۔یہاں سے Take off کر جاتے۔ہم وہاں سے روانہ ہوئے۔کوئی پندرہ بیس منٹ

بعد پھر Land کر گئے۔ ہمیں نہیں پتا چلا کہ کیا ہوا۔ جب باہر گئے تو وہ فائر بریگیڈ کی گاڑیاں، یہ اور وہ، Rescue کا سامان اور سارے کھڑے تھے۔ ہم نے پوچھا کہ دوبارہ Land کر گئے ہو تو کہنے لگا کہ ایمرجنسی Land تھی۔ پائلٹ اترا اس نے ہمیں بتایا نہیں۔ پائلٹ کی اوپر Cabin ہوتی تھی، ہم تو نیچے تھے۔

اس نے کہا کہ یہ ایک انجن خود بخود بند نہیں ہوا۔ انجن کے بلیڈ اس کے اندر گھومتے ہیں یہ زاویہ تبدیل کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔ وہ بلیڈ خود بخود ہی ایسے Feather ہو گئے۔ جب کبھی انجن بند ہو جائے یا بند کرنا ہو تو بلیڈ کو ذرا گھماتے ہیں تو پھر وہ Wind winning نہیں کرتا۔ خالی چلتا ہے، ہوا میں نہیں کرتا، اس سے نقصان ہو جاتا ہے۔ وہ بلیڈ ذرا گھوم جاتا ہے تو ہوا کہ Resistance زیادہ ہو جاتی ہے اور پھر وہ چل نہیں سکتا۔ اس پائلٹ نے کہا کہ یہ انجن خود بخود Feather ہو گیا ہے۔ اسے وہاں Run way پر کھڑا کر دیا۔ ٹریکٹر آ گئے۔ اسے Tough (ٹو) کر کے باہر لے جانے کے لئے۔ اسے باہر لے گئے۔ وہ تو لے گئے۔ میں اوپر چڑھ گیا کہ دیکھوں تو سہی اس کو کیا ہوا ہے۔ انجن جو ہے یہ فیل ہو گیا ہے۔ میری برانچ انجن کی تھی۔ انجن کے اوپر سلائیڈ کر کے آگے ایک Opening تھی وہاں پر ایک کنٹرول ہوتا ہے۔ وہ آگے ہوتا ہے۔ اس کو میں نے ہاتھ لگایا، اس کا کنٹرول جو ہے وہ اترا ہوا تھا۔ ٹوٹ گیا تھا۔ واپس لے آئے۔ ویسے یہ عجیب تھا۔ اللہ کی مرضی ہوتی ہے بعض دفعہ۔ سپیئر پارٹس جو ہیں وہ تو جو بھی مل جائے۔ باقی تو ٹھیک ہے، اب کنٹرول کا کیا کریں اگر وہ ٹوٹ جائے۔ ویسے ہی ایک Junk میں پڑا ہوا تھا، میں نے کہا کہ چلو یہ بھی رکھ لیں۔ وہ بھی رکھ لیا تو وہی ٹوٹا۔ وہاں وہ پھر ہم نے لگا لیا۔ پتا نہیں کیسے ٹوٹ گیا۔ ہمارے پاس اس سے تھوڑا موٹا ہی تھا تو اسے لگا لیا۔

سٹارٹ کیا انجن کو اس کو چیک کیا۔ اس وقت تو وہ ایسے ہو گیا۔ پھر ہم کریں تو وہ ہو نہ۔ آن کریں، اس کی موٹر ہوتی تھی تو وہ Earth ہی نہ ہو۔ اب کیا اس کو کیا ہوا۔ بجلی والے کو بلایا۔ اس نے کہا کہ موٹر تو چل رہی ہے۔ اس کو پھر ہم نے کھولا۔ اس کے پمپ میں جو شافٹ لگاتے ہیں اس میں ایک لیور لگاتے ہیں کہ یہ گھومے نہ۔ جہاں بھی پہیہ لگا ہوتا ہے۔ اس میں وہ لیور نہیں تھا۔ پتا نہیں وہ پہیہ کیسے چل رہا تھا۔ اندر ہاتھ ڈالا تو اندر بھی نہیں تھا وہ لیور۔ پتا نہیں وہ نٹ کے زور پر چلتا رہا۔ بہر حال اب کیا کریں۔ وہ گوروں کی بیس تھی۔ گورے کو بلایا۔ اسے کہا کہ ہمیں یہ چاہئے۔ Airforce کی بیس تھی۔ انہیں پتا تھا۔ اس کو Woodruft ہی کہتے ہیں۔ یہ Key ایسے D Shape میں چاہئے۔ D اندر شافٹ میں اس کے ساتھ پھنس جاتی تھی۔ انہوں نے وہاں ورکشاپ میں ہمیں ویسی بنا کے دی کہ وہاں جا کر Properly change کر لینا۔ یہ عام مٹیریل کی ہے، وہ خاص ہوگا۔ ہم نے بنوا کر لگا دی، وہ چل پڑا۔ ٹیسٹ ہو گیا ہم چل پڑے۔ لڑکوں نے دوپہر کا کھانا وہیں کھایا۔ وہاں ایک Air test ہوتا ہے، ہنگامی لینڈنگ کا، چلو جی وہ ایئر ٹیسٹ بھی ہو گیا۔ مجھے کہا گیا کہ تم بھی ساتھ آؤ، میں نے کہا تو سہی کہ میں صبح سے لگا ہوا ہوں کوئی پانی ہی پی لوں۔ انہوں نے کہا کہ آؤ بس یہ چکر لگا کے آئے۔ بس ایک ہی سرکل دینا ہے ہم گئے تو وہ اب ٹھیک ٹھاک تھا۔ انہوں نے کہا کہ اب دیر ہو گئی ہے۔ چلو کل چلیں گے۔ One night اور Stay کے لئے ہم دوبارہ وہاں سے ہوٹل چلے گئے''۔

ii) ایک بھائی آئے۔ بابا جانؒ سے مصافحہ کیا پھر اتوار کے پروگرام میں برآمدے میں آئے سارے بھائیوں سے ہاتھ ملانے لگے تو بابا جانؒ نے فرمایا کہ ایک ساتھ سب کو سلام کر دو یہاں سے۔ (توحیدی انداز سے ہاتھ سے ہاتھ ملا کر سلام کرنے کا طریقہ کر کے دکھایا)۔

انہوں نے ایسا ہی کیا۔ باباجانؒ فرمانے لگے کہ یہ قذافی کا سلام ہے۔ جب قذافی پاکستان آیا تھا تو یہ بھٹو کا بڑا یار تھا۔ دونوں Young leader تھے اور جوش و جذبے والے تھے۔ قذافی سٹیڈیم میں ان کا جلسہ تھا۔ اس کا نام اس وقت ہی قذافی سٹیڈیم رکھا گیا تھا۔ پہلے اس کا کوئی اور نام تھا۔ بڑے جھمبے شیشے ڈالے گئے۔ کانفرنس بھی ہوئی۔ پہلے جب اسلامک کانفرنس ہوئی اس میں بھی قذافی اور مرحوم شاہ فیصل کا بڑا Outstanding part تھا ادھر۔

وہ قذافی ایسے سلام کیا کرتا۔ وحدہٗ وحدہٗ۔ کہ اکٹھے ہو جاؤ مسلمان سارے۔ یہ وحدت کا نشان تھا۔ اکٹھے ہو جاؤ۔ یکمشت ہو جاؤ تو اس کے لئے وہ سلام ایسے کرتا تھا۔ (اپنے ایک ہاتھ میں دوسرا ہاتھ پکڑ کر اوپر اُٹھانا)۔ باباجیؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ) کو یہ بڑا پسند آیا۔ فرمانے لگے کہ یار کھیاں مارنے سے تو یہ اچھا ہے۔ یہ کھیاں مارنے سے اچھا ہے۔ جوش وجذبہ تھا بڑا اس میں اور وہ ایسے سب کو اکٹھا ہونے کا بھی کہتا اور سلام کرتا تھا۔ باباجیؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ) کو یہ بڑا پسند آیا تو یہ توحیدی سلام بن گیا۔ سب ایسے ملاؤ۔ اب بھی یہ ایسے چلتا ہے کہ دور سے ہی سب سے ایسے سلام کرلو۔

قبلہ محمد صدیق ڈارؒ کا خط بنام: سیّد غلام محمد شاہ

مورخہ: 09.10.1999

السَّلامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہ ! آپ کا خط کافی روز پہلے ملا تھا۔ایڈریس نہ ہونیکی وجہ سے جواب تحریر نہ کرسکا۔لسوڑی میں پہلی ملاقات تھی تو اس لئے آپ کو اس کے اثرات عجیب اور زیادہ محسوس ہوئے۔محبت میں پہلی ملاقات ہمیشہ خاص اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔اس کے بعد اگر سالک صحیح طور پر تعلیم پر عمل شروع کردے اور اس پر استقامت دیکھائے تو ترقی ہوتی رہتی ہے۔ اس لئے بہتر تو یہی ہوتا ہے کہ اگر کسی بزرگ کے ساتھ عقیدت ہوجائے اور ان کی محفل میں دل کی کیفیات بدل جائیں تو ان سے با قاعدہ ذکر کرنے کی اجازت حاصل کی جائے اور طالبان میں شامل ہوجائیں۔اس طرح آدمی سلسلہ سے منسلک ہوجاتا ہے اور سلسلے کے تمام بزرگوں سے فیض حاصل ہوتا ہے۔اگر ملاقات کے بعد بھی عمل میں سستی دکھائی جائے تو پھر رابطہ کمزور ہوجاتا ہے ،اصل بات تعلیم پر عمل کرنا ہے۔عمل کرنے سے ہی سب کچھ حاصل ہوتا ہے۔بانی سلسلہؒ کے خطوط غور سے پڑھتے رہیں ان میں بڑے کام کی باتیں لکھی ہوتی ہیں۔آپ کے والد محترم سلسلہ توحیدیہ کے پرانے بھائی ،بانی سلسلہؒ سے فیض یافتہ اور ان کی تعلیم کو اچھی طرح سمجھنے والے فقیر ہیں۔ سارا دارومدار **قلب** پر ہے ،جب اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے اس پر اپنی محبت کی تجلی ڈال دیں تو پھر انسان کے معاملات کی نوعیت بدل جاتی ہے۔اسے "حال" اور "کیفیت" کا نام دیا جاتا ہے۔

حضورﷺ کے صحابہ کرامؓ نمازوں کی کثرت کی وجہ سے مقبول بارگاہ نہ تھے بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولﷺ کی محبت کے غلبہ کی وجہ سے منفرد تھے۔ہمارا اور سید عاشق حسنین شاہ صاحب کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے اللہ تعالیٰ انہیں اپنی مزید محبت عطاء فرمائے اور اپنی مخلوق کی اصلاح کی توفیق عطاء فرمائے۔آمیـــن ! اچھا ہوا آپ بھی سماع و ذکر کی محفل میں شریک ہوگئے ،اُمید ہے لطف اندوز ہوئے ہونگے۔ والسلام !

قرآن مجید اور دل

انبیاء علیہم السلام دل کو پاک کرنے کے لئے دنیا میں آتے رہے ہیں ۔انہوں نے سب سے زیادہ محنت قلوب کے تزکیہ پر کی سب سے زیادہ زور دلوں کی تطہیر پر دیا اس لئے کہ دل پاک ہو جائے تو انسان پاک ہو جاتا ہے ۔دل بدل جائے تو انسان بدل جاتا ہے،اس کی زندگی بدل جاتی ہے ،مقصد حیات بدل جاتا ہے ،دیکھنے کا انداز بدل جاتا ہے ،محبت و عداوت کے پیمانے بدل جاتے ہیں ،محنت اور تجارت کے ہدف بدل جاتے ہیں ،گھر بدل جاتے ہیں، معاشرہ بدل جاتا ہے،زمانہ بدل جاتا ہے،تاریخ بدل جاتی ہے،اخلاق بدل جاتے ہیں ،راتیں بدل جاتی ہیں ،ساقی بدل جاتے ہیں ،پیمانے بدل جاتے ہیں ،مے خوار بدل جاتے ہیں ،میخانے بدل جاتے ہیں ،اور تو اور پیر مغاں بدل جاتے ہیں ،دل کی اہمیت کے پیش نظر خالق کائنات نے اپنی آخری کتاب قرآن مجید میں اس کا بار بار تذکرہ فرما کر اس کی اہمیت اس کی حفاظت عن الوساوس اور اصلاح کی طرف ہمیں متوجہ فرمایا ہے ۔چنانچہ قرآن مجید میں مختلف مقامات پر کیفیت و حالت کے اعتبار سے 15 دلوں کا تذکرہ فرمایا ہے ان انواع قلوب کو مع ضروری تفسیر کے ملاحظہ فرمائیے ۔

۱۔ سخت دل:

’’مگر ایسی نشانیاں دیکھنے کے بعد بھی آخر کار تمہارے دل سخت ہو گئے پتھروں کی طرح سخت بلکہ سختی میں کچھ ان سے بڑھے ہوئے ہیں کیونکہ پتھروں میں کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جس میں سے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں ۔کوئی پھٹتا ہے اور اس میں سے پانی نکل آتا ہے اور کوئی خدا کے خوف

سے لرز کر گر بھی پڑتا ہے ۔اللہ تعالیٰ کرتوتوں سے بے خبر نہیں ہے''۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا بنی آدم کے قلوب اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں میں اس طرح ہیں جیسے ایک قلب وہ اس دل کو جس طرح چاہتا ہے پھیرتا ہے پھر اس کے بعد رسول ﷺ نے یہ دعا مانگی۔

اے خدا! دلوں کو پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے **(مسلم)**

ا۔ دل سخت کیسے ہوتا ہے؟

انسان کا دل زمین کی مانند ہے ۔انسان اگر زمین پر بہت عرصہ کاشت نہ کرے محنت نہ کرے تو وہ بنجر ہو جاتی ہے اور وہ زمین پیداوار چھوڑ دیتی ہے ۔اس لئے کہ اس پر محنت نہیں ہوئی وہ زمین سخت ہو جاتی ہے اسی طرح فرمایا:

''انسان جب اس دل پر محنت کرنا چھوڑ دیتا ہے تو رفتہ رفتہ یہ دل سخت ہو جاتا ہے اور جب دل سخت ہوتا ہے تو ایسا کہ یہ پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہو جاتا ہے''۔

فرمایا: " پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے ۔پھر یہ پتھروں کی مانند ہو گئے بلکہ یہ پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہو گئے ۔بے شک پتھروں سے نہریں جاری ہو جایا کرتی ہیں اور جب پتھر پھٹتا ہے تو بسا اوقات اس میں سے پانی نکل آتا ہے اور بعض پتھر تو ایسے ہوتے ہیں جو اللہ کے خوف سے کانپ اٹھتے ہیں۔

لیکن اے انسان! جب تیرا دل سخت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے خوف سے کانپتا نہیں ہے۔ پتھر بھی دل کی اس سختی پر شرماتے ہیں ۔انسان کے پاس یہی سرمایہ ہے ۔اسے بنا لے تو اللہ کے ہاں کامیاب ہو گیا اور اسے بگاڑ لے تو پھر یہ انسان بالکل ناکام ہو گیا۔

۲۔ زنگ آلود دل:

اعمال بد کی وجہ سے دلوں پر زنگ چڑھ جاتا ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے انسانوں کو حق بات بھی افسانہ ہی نظر آتی ہے" بلکہ دراصل ان لوگوں کے دلوں پر ان کے برے اعمال کا زنگ چڑھ گیا ہے"(المطففین: ۱۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "مؤمن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نکتہ پیدا ہوجاتا ہے۔ پھر اگر وہ توبہ کرلیتا ہے، ڈر جاتا ہے، استغفار کرلیتا ہے تو دل سے گناہ کا نکتہ دور ہوجاتا ہے۔ لیکن اگر گناہ میں زیادتی کرتا ہے تو نکتہ بھی بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کے دل پر چھا جاتا ہے۔ یہی ہے وہ **ران** جس کا ذکر اللہ نے اس آیت میں کیا۔

۳۔ گناہ آلود دل:

"جو شہادت کو چھپاتا ہے اس کا دل گناہ آلود ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب جانتا ہے"۔ (البقرہ: ۱۷۳)

جسم میں دل کی حیثیت: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "بنی آدم کے بدن میں ایک بوٹی ایسی ہے کہ جب وہ ٹھیک ہوتی ہے تو سارا بدن ٹھیک ہوتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتی ہے تو سارا بدن بگڑ جاتا ہے سن لو وہ بوٹی "دل" ہے۔(بخاری و مسلم)

بعض علماء نے کہا کہ دل کے گناہ گار ہونے سے مراد یہ ہے کہ دل کا مسخ ہوجانا۔

۴۔ ٹیڑھے دل:

"جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ ہے وہ فتنے کی تلاش میں ہمیشہ متشابہات ہی کے پیچھے رہتے ہیں اور ان کو معنی پہنانے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ ان کا حقیقی مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا"۔(آل عمران ۷)

۵۔دانشمند دل:

پروردگار! جبکہ تو ہمیں سیدھے راستے پر لگا چکا ہے تو پھر کہیں ہمارے دلوں کو کجی میں مبتلا نہ کر دیجیو۔ہمیں اپنے خزانہ فیض سے رحمت عطا کر کہ تو ہی فیاض حقیقی ہے۔(آل عمران ۸)

۶۔نہ سوچنے والے دل:

''اور حقیقت یہ ہے کہ بہت سے جن اور انسان ایسے ہیں جن کو ہم نے جہنم ہی کے لیے پیدا کیا ہے ان کے پاس دل ہیں مگر وہ ان سے سوچتے نہیں۔ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں۔ان کے پاس کان ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں۔وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گزرے ہیں۔یہ وہ لوگ ہیں جو غفلت میں کھو گئے ہیں''(الاعراف ۱۸۹)

یعنی دل، کان آنکھ سب کچھ موجود ہے لیکن نہ دل سے آیات اللہ میں غور کرتے ہیں نہ قدرت کے نشانات بنظر اعتبار مطالعہ کرتے ہیں اور نہ خدائی باتوں کو سمع قبول سنتے ہیں جس طرح چوپائے جانوروں کے تمام ادراکات صرف کھانے پینے اور بہیمی جذبات کے دائرہ میں محدود ہوتے ہیں یہی ان کا حال ہے کہ دل و دماغ، ہاتھ پاؤں، کان، آنکھ غرض خدا کی دی ہوئی سب قوتیں محض دنیوی لذائذ اور مادی خواہشات کی تحصیل و تکمیل کے لئے وقف ہیں۔انسانی کمالات اور ملکوتی خصال کے اکتساب سے کوئی سروکار نہیں بلکہ غور کیا جائے تو ان کا حال ایک طرح چوپائے جانوروں سے بھی بدتر ہے۔جانور مالک کے بلانے پر چلا آتا ہے اس کے ڈانٹنے سے رک جاتا ہے یہ کبھی مالک حقیقی کی آواز پر کان نہیں دھرتے۔پھر جانور اپنے فطری قویٰ سے وہی کام لیتے ہیں جو قدرت نے ان کے لئے مقرر کر دیا ہے زیادہ کی ان میں استعداد ہی نہیں لیکن ان لوگوں میں روحانی و عرفانی ترقیات کی جو فطری قوت و استعداد ودیعت کی گئی تھی اسے مہلک غفلت اور بے راہروی سے خود اپنے ہاتھوں ضائع و معطل کر دیا۔(تفسیر عثمانی)

۷۔ لرز اٹھنے والے دل:

''سچے اہل ایمان وہ لوگ ہیں جن کے دل اللہ کا ذکر سن کر لرز جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے'' (الانفال ۲)

۸۔ مہر لگے ہوئے دل:

''اسی طرح ہم حد سے گزرنے والوں کے دلوں پر ٹھپہ لگا دیتے ہیں'' (یونس ۷۴)

دل پر مہر کیسے لگتی ہے؟

جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''انسان گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک داغ لگا دیا جاتا ہے۔ پھر گناہ کرتا ہے تو پھر ایک داغ لگا دیا جاتا ہے پھر گناہ کرتا ہے تو پھر داغ لگا دیا جاتا ہے اسی طرح داغ لگتے رہتے ہیں تو ایک وقت ایسا آتا ہے کہ دل بالکل سیاہ ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس پر مہر جباریت لگا دیتے ہیں''۔

(اللہ نے مہر لگا دی ان کے دلوں پر)

اس کو کہتے ہیں کہ دل پر مہر جباریت لگ گئی دل بالکل سیاہ ہو جاتا ہے پھر یہ انسان نیکی کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔

انکار کی نحوست: جو لوگ تکذیب وعداوت حق میں حد سے نکل جاتے ہیں ان کے دلوں پر مہر لگنے کی یہی صورت ہوتی ہے کہ اول تکذیب کرتے ہیں پھر اس پر ضد اور اصرار کرتے کرتے محض دشمنی اور عناد کی روش اختیار کر لیتے ہیں یہاں تک کہ دل کی کلیں بگڑ جاتی ہیں اور قبول حق کی استعداد باقی نہیں رہتی۔ (تفسیر عثمانی)

۹۔مطمئن دل:

"خبر دار رہو! اللہ کی یاد ہی وہ چیز ہے جس سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے"

(الرعد ۲۸)

یعنی دولت،حکومت،منصب، جاگیر یا فرمائشی نشانات کا دیکھ لینا کوئی چیز انسان کو حقیقی سکون واطمینان سے ہم آغوش نہیں کرسکتی۔صرف یادالٰہی سے جو تعلق مع اللہ حاصل ہوتا ہے وہی ہے جو دلوں کے اضطراب ووحشت کو دور کرسکتا ہے۔

۱۰۔کانپ اٹھنے والے دل:

اللہ کا ذکر سن کر جس کا دل کانپ اٹھے وہ مومن ہے "اور اے نبی بشارت دے دے عاجزانہ روش اختیار کرنے والوں کو جن کا حال یہ ہے کہ اللہ کا ذکر سنتے ہیں تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں۔جو مصیبت ان پر آتی ہے اس پر صبر کرتے ہیں نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ رزق ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں"

۱۱۔اندھے دل:

"کیا یہ لوگ زمین پر چلے پھرے نہیں ہیں کہ ان کے دل سمجھنے والے یا انکے کان سننے والے ہوتے ،حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہوجاتے ہیں جو سینوں میں ہیں"(الحج ٤٦)

دل کا اندھا پن:

یعنی آنکھوں سے دیکھا اگر دل سے غور نہ کیا تو وہ نہ دیکھنے کے برابر ہے گو اس کی ظاہری آنکھیں کھلی ہوں پر دل کی آنکھیں اندھی ہیں اور حقیقت میں زیادہ خطرناک اندھا پن وہی ہے جس میں دل اندھے ہوجائیں۔(تفسیر عثمانی)

دل اندھا کیسے ہوتا ہے؟

غفلت بھری زندگی گزارنے سے انسان کا دل اندھا ہو جاتا ہے۔بالکل اندھا ایسا اندھا کہ یہ نیکی اور بدی میں تمیز نہیں کرسکتا۔جیسے ایک آدمی کی بینائی نہ ہو وہ آدمی دوست اور دشمن میں فرق نہیں کرسکتا۔اندھیرے اور اجالے میں تمیز نہیں کرسکتا۔پہچان نہیں کرسکتا کہ کون سی چیز نفع دینے والی ہے اور کون سی چیز نقصان دینے والی ہے۔اسی طرح جب دل اندھا ہوتا ہے تو وہ انسان بڑے سے بڑا گناہ کر لیتا ہے مگر اس کے سر پر جوں بھی نہیں رینگتی کہ میں نے کوئی اللہ کی نافرمانی کی بھی ہے یا نہیں۔اس کو نیک آدمی کی صحبت اچھی نہیں لگتی برے آدمیوں کی صحبت اسے اچھی لگتی ہے۔اب اسے دوست اور دشمن کی تمیز نہ رہی۔اب اسے نیکی اور بدی میں تمیز نہ رہی۔اب اسے اندھیرے اور اجالے کا فرق معلوم نہ ہوا کیونکہ دل اندھا ہو چکا ہے۔ایک قوم ایسی گزری کہ اس پر پوری قوم کو اللہ تعالیٰ نے کہا (وہ اندھی قوم تھی)

اس کا مطلب ہے کیا ظاہر سے نابینا تھے؟ جی نہیں! روایت میں کسی قوم کے بارے میں ایسا نہیں آتا کہ وہ سارے کے سارے اندھے ہوں۔ہاں ایک قوم ایسی گزری جس نے اپنے نبی کے فرمان کو نہ مانا، نہ اس پر ایمان لائے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وہ اندھی قوم تھی اس نے اپنے نبی کو نہ پہچانا، اپنے خالق و مالک کو نہ پہچانا اور ایمان کو نہ اپنایا، انہیں اندھی قوم کہا گیا قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اور جو اس دنیا میں اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا"

کیا مطلب اس کا؟ جو دنیا میں نابینا ہے اس کو آخرت میں بھی بینائی نہیں ملے گی؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے چشم پوشی کرتا رہا اللہ کے حکموں کو نظر انداز کرتا رہا۔اس کے حکموں سے اندھا بنا رہا اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کی بینائی کو سلب فرمائیں گے۔

۱۲۔سلامتی والے دل:

''(اس دن) جب کہ نہ کوئی مال فائدہ دے گا نہ اولاد بجز اس کے کوئی شخص قلب سلیم لئے ہوئے اللہ کے حضور حاضر ہو''(شعراء)

پاک دل:

یعنی بھلا چنگا بے روگ دل جو کفر و نفاق اور فاسد عقیدوں سے پاک ہو گا وہی وہاں کام دے گا۔ بڑے مال واولاد کچھ کام نہ آئیں گے۔ اگر کافر چاہے کہ قیامت میں مال واولاد فدیہ دے کر جان چھڑالے تو ممکن نہیں یہاں کے صدقات وخیرات اور نیک اولاد سے بھی کچھ نفع کی توقع اسی وقت ہے جب اپنا دل کفر کی پلیدی سے پاک ہو(تفسیر عثمانی)

سلیم سے مراد شرک اور شک سے پاک دل ہے گناہوں سے پاک ہونا مراد نہیں ۔کیونکہ کوئی شخص بھی (لغزش یا چھوٹے بڑے ہر قسم) کے گناہ سے پاک نہیں ہے بقول بغوی اکثر اہل تفسیر کا یہی قول ہے۔(گلدستہ تفاسیر)

۱۳۔ایمان سے محروم دل:

''جب اکیلے خدا کا ذکر کیا جاتا ہے تو آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کے دل کڑھنے لگتے ہیں اور جب اس کے سوا دوسروں کا ذکر ہوتا ہے تو وہ خوشی سے کھل اٹھتے ہیں''(الزمر ۴۵)

۱۴۔متکبر دل: اللہ ہر متکبر اور جبار کے دل پر ٹھپہ لگا دیتا ہے۔

غرور کی سزا:

جو لوگ حق کے سامنے غرور سے گردن نہ جھکائیں اور پیغمبروں کے ارشادات سن کر سر نیچا نہ کریں آخر کار ان کے دلوں پر اللہ تعالیٰ اسی طرح مہر کر دیتا ہے کہ پھر قبول حق اور نفوذ خیر کی گنجائش ہی نہیں رہتی ۔(تفسیر عثمانی)

۱۵۔ایمان والے دل:

''کیا ایمان لانے والوں کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر سے پگھلیں اور اسی کے نازل کردہ حق کے سامنے جھکیں اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں پہلے کتاب دی گئی تھی پھر ایک لمبی مدت ان پر گزر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے اور آج ان میں سے اکثر فاسق بنے ہوئے ہیں۔(الحدید ۱۴)

دل صاف کیسے ہوتا ہے؟

انسان جب توبہ تائب ہوتا ہے تو دل کی سیاہی دور ہو جاتی ہے۔دل کی ظلمت دور ہو جاتی ہے،دل کی سختی دور ہو جاتی ہے اور جب انسان اللہ پاک کے سامنے سر بسجود ہو کر اپنے گناہوں سے سچی پکی توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالٰی دل کو دھو دیتے ہیں۔ایک مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وحی کی گئی کہ اپنے دل کو دھولیا کرو آپ کہنے لگے:

''اے اللہ! پانی تو وہاں پہنچتا نہیں میں اس کو کیسے دھوؤں؟''تو فرمایا''یہ دل پانی سے نہیں یہ تو میرے سامنے رونے سے دھلا کرتا ہے''یعنی اگر تو میرے حضور عاجزی اور زاری کرے گا تو ان آنسوؤں کے گرنے سے تیرے دل کو صاف کر دیا جائے گا۔

خوف خدا کی اھمیت

(مولانا محمد اسجد قاسمی)؁

قرآنی تعلیمات اورنبوی ہدایات میں متعدد مقامات پر خوفِ خداوندی اور خشیتِ ربانی کی فضیلت اوراس کی تاکید وتلقین کا مضمون ملتا ہے اور حقیقت یہی ہے کہ جس بندے میں خوفِ خدا پیدا ہوجاتا ہے وہ دنیوی واُخروی ہر نوع کی فلاح اور کامرانی کا مستحق ہوجاتا ہے۔

علماء کے بیان کے مطابق خوف کی کئی قسمیں ہیں، علامہ ابن رجب حنبلی کے بقول: مطلوب اورواجبی خوف وہی ہے جوفرائض کی ادائیگی اورمحرمات سے اجتناب پر آمادہ کرے، اور اگر خوف اتنا زیادہ ہوجائے کہ وہ دلوں میں نفل عبادتوں کی انجام دہی، معمولی گناہوں اورخلاف اولیٰ اُمور سے اجتناب اورضرورت سے زائد مباح اُمور سے پرہیز کا باعث بن جائے تو یہ قابل تعریف بات ہے،لیکن اگر خوف اس قدر بڑھ جائے کہ بیماری یاموت یا دائمی فکراوراللہ کے محبوب اعمال کی انجام دہی سے رُک جانے کا سبب بن جائے تو یہ خوف قابل تعریف نہیں بلکہ قابلِ مذمت ہے۔علامہ ابن القیمؒ نے لکھا ہے کہ:

”سچا اور قابل تعریف خوف وہ ہے جوانسان اورمحرمات الٰہیہ کے درمیان حائل ہوجائے ،اگرخوف اس سے زائد ہوجائے تو اس میں مایوسی اورنا اُمیدی کا اندیشہ ہوتا ہے اس لئے وہ قابل مذمت ہے۔ابوعثمان کے بقول ظاہری وباطنی گناہوں سے اجتناب ہی سچا خوف ہےاوربقول امام ابن تیمیہ قابل تعریف خوف وہ ہے جوحرام امور سے روک دے اوربچالے۔“

امام غزالیؒ نے خوف کی تین قسمیں بیان کی ہیں: (1)ناقص (2)ضرورت سے زائد (3)معتدل

خوف ناقص کی مثال عورتوں کی رقت ہے کہ وہ قرآن کی ایک آیت سن لیتی ہیں تو ان پر گریہ طاری ہو جاتا ہے اور اشک رواں ہو جاتے ہیں، اسی طرح خوفناک چیز دیکھ لیتی ہیں تو رونے لگتی ہیں، پھر اس کے بعد غفلت طاری ہوجاتی ہے، یہ خوف ناقص، بے فائدہ، بے نتیجہ اور بے اثر ہوتا ہے۔

اور ضرورت سے زائد خوف وہ ہے جو حد اعتدال سے تجاوز کر کے مایوسی کی حد میں داخل ہو جائے اور عملی قوت ختم اور کمزور کر دے، معتدل خوف وہ ہوتا ہے جو اعضاء کو معاصی سے روکتا اور طاعات کا پابند کرتا ہے۔(احیاءالعلوم)

علماء کا کہنا ہے کہ رونے اور آنکھ سے اشک پونچھنے والا خائف نہیں ہے، خائف تو وہ ہے جو گناہوں کو اللہ کی سزا کے ڈر سے چھوڑ دے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو کسی چیز سے ڈرتا ہے وہ اس سے دور بھاگتا ہے اور جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ اللہ کی طرف بھاگتا ہے، خوف الٰہی کی پہچان یہی ہے۔

امام غزالیؒ نے خوفِ خدا کی اہمیت کے ذیل میں یہ نکتہ واضح کیا ہے کہ ''شہواتِ نفسانیہ کا قلع قمع کسی اور تدبیر سے اتنا ممکن نہیں جتنا خوفِ خداوندی کی تدبیر سے ممکن ہے، خوفِ خدا ہی شہوتِ نفس کو جلانے والی آگ اور ختم کرنے والا زہر ہے، خوف جس قدر زیادہ اور پختہ ہوگا شہوتیں اتنی ہی زیادہ ختم ہوں گی۔ معاصی سے اتنا ہی زیادہ بچاؤ ہوگا اور طاعات کا اتنا ہی زیادہ شوق اور اہتمام ہوگا، خوف کی اہمیت وعظمت تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں، کیونکہ عفت مآبی خداترسی، پرہیز گاری اور مجاہدہ جیسے اللہ کا قرب عطا کرنے والے اعمال واوصاف صرف خوفِ خدا کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں۔(احیاءالعلوم)

خوف خدا کی عظمت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اس کی وجہ سے آخرت میں دشواریوں سے بے خوفی اور امن حاصل رہے گا ارشاد نبوی ہے:

''اللہ فرماتا ہے کہ میری عزت وجلال کی قسم! میں اپنے بندے کے لئے دو خوف یا دو امن جمع نہ کروں گا، اگر وہ دنیا میں مجھ سے بے خوف رہا تو قیامت میں، میں اسے بے خوف بنادوں گا''

قرآن کریم میں یہی بات بار بار کہی گئی ہے مثلاً ارشاد ہے:

ترجمہ: ''اہل تقویٰ امن کی جگہ میں ہوں گے''۔

اہل جنت سے کہا جائے گا: ترجمہ: ''تم جنت میں سلامتی اور امن کے ساتھ داخل ہو جاؤ''۔

ارشاد باری ہے: ترجمہ: آیا وہ شخص بہتر ہے جو آگ میں جھونکا جانے والا ہے یا وہ جو قیامت کے روز امن کی حالت میں حاضر ہوگا؟ (حم السجدۃ)

ترجمہ: '' آیا وہ شخص بہتر ہے جو آگ میں جھونکا جانے والا ہے یا وہ جو قیامت کے روز امن کی حالت میں حاضر ہوگا''؟

ترجمہ :اور (اہل ایمان کامل) اس دن (قیامت میں) گھبراہٹ سے محفوظ ہوں گے یعنی بے خوف ہوں گے''۔

اگر انسان کا دل دنیا میں اللہ کے خوف سے لرزتا ہے تو اس خوف کا ثمرہ قیامت میں بے خوفی، امن اور جنت کی شکل میں ملے گا اور وہاں اہل جنت اپنا یہ حال بیان کریں گے کہ

ترجمہ :''ہم دنیا میں خائفانہ زندگی گزارتے تھے، اس کے ثمرہ میں اللہ نے ہم پر فضل فرمایا ہے اور ہم کو آتش سوزاں کے عذاب سے محفوظ فرمایا ہے''۔

اور اگر انسان کا دل دنیا میں اللہ سے اور آخرت کی باز پرس سے بے خوف ہے تو قیامت میں اس کا حال یہ ہوگا کہ وہ کانپ رہا ہوگا اور بالآخر لقمۂ جہنم بنے گا۔ روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ ایک نوجوان کے پاس آئے جو نزع کے عالم میں تھا آپ ﷺ نے پوچھا کیا حال ہے؟ اس نے کہا اے اللہ کے رسول! متضاد کیفیت ہے اپنے گناہوں کا خوف بھی ہے اور اللہ کی رحمت کی امید بھی ہے آپ نے فرمایا کہ:

ترجمہ :''یہی ایمان ہے جس بندۂ مومن کے دل میں اس جیسے (مشکل) موقع پر خوف و رجاء دونوں جمع ہو جاتے ہیں تو اللہ معاملہ یہ کرتا ہے کہ اسے اس کی امید کے مطابق اپنی رحمت سے نوازتا ہے اور اسے خوف سے امن میں لے آتا ہے۔

خوش کلامی

(ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک)

لوگوں کے ساتھ دھیمے اور شیریں لہجے میں بات کرنا بہت بڑی نیکی ہے۔ قرآن مجید میں بہت سی جگہ شدت کے ساتھ اس کی تاکید کی گئی ہے۔ سورۂ لقمان میں حضرت لقمان اپنے بیٹوں کو یُوں نصیحت کرتے نظر آتے ہیں:

ترجمہ: ''اپنی آواز کو دھیما رکھا کرو۔ کرخت ترین آواز تو گدھوں کی ہوا کرتی ہے''۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ دھیمے اور شیریں کلام کی بجائے دوسروں پر چلاتے پھرنا فطانت و ذہانت کی بات نہیں بلکہ گدھے پن کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہ السلام کو فرعون کے پاس روانہ کیا، تو یہ نصیحت بھی کی:

ترجمہ: ''فرعون کے ساتھ نرم لہجے میں بات کرنا شاید وہ نصیحت حاصل کرلے یا اللہ کا خوف اس میں پیدا ہو''۔

اس آیت سے یہ اہم بات معلوم ہوئی کہ جس شخص کے سامنے تبلیغ کی جارہی ہو اور یہ مقصود ہو کہ اس شخص کے دل میں نصیحت اور خشیت الٰہی کے پودے جڑ پکڑیں تو لازمی ہے کہ اس شخص کے ساتھ نرم لہجے میں بات کی جائے۔ درشت اور کرخت لہجے میں بات کرنے سے نہ نصیحت حاصل ہوگی نہ خشیت الٰہی۔

یہی بات حضور اکرم ﷺ کی وساطت سے عام مسلمانوں کو حکم دیتے ہوئے ایک اور کتب اور آیت میں اس طرح ارشاد کی گئی:

ترجمہ ''دانشمندی اور عمدہ و میٹھی نصیحت کے ذریعے لوگوں کو اپنے ربّ کے راستے

کی طرف بُلایئے اوران سے کبھی بحث بھی کیجیےتو انتہائی حسین پیرائے میں۔"

اس آیت سے اشارتاً یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ دھیمے، میٹھے اور حسین انداز میں گفتگو کرتے ہوئے حکمت اور دانشمندی کا ساتھ حاصل ہو جاتا ہے۔اس کے برعکس بات کرتے ہوئے جب پارہ چڑھ جائے، لہجہ کرخت اور تلخ ہو جائے تو حکمت کا ساتھ باقی نہیں رہتا۔ ایسی صورت میں جذباتی، غیر دانشمندانہ اور بے تکی باتیں ہی منہ سے نکلتی ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے خوش کلامی اور شیریں گفتار ایسی عمدہ نعمت کو حاصل کرنے کی آسان ترکیب کیا ہوسکتی ہے۔ وہ سبق یہ ہے کہ چہرے پر ہر وقت مسکراہٹ، شیرینی اور خندہ پیشانی جھلک رہی ہو، اور دوسرے شخص کے لیے آنکھوں سے محبت ٹپک رہی ہو۔جذبات ہوں تو خیرخواہی اور محبت کے،بغض،کینہ اور حسد جیسے امراض سے بچنے کی کوشش کی جائے تو چہرہ ازخود کشادہ،شگفتہ اور منور ہو جائے گا۔نفرت نہ صرف زبان بگاڑ دیتی ہے بلکہ چہرہ کو بھی تیوری زدہ اور مسخ شدہ بنا دیتی ہے۔

بقول شاعر:

؎زبان بگڑی سو بگڑی تھی خبر لیجئے دہن بگڑا

حضور اکرم ﷺ ہر وقت مسکراتے رہتے تھے۔ایک صحابیؓ کا قول حدیث شریف میں یوں نقل کیا گیا۔ ترجمہ: ''میں نے حضور نبی کریم ﷺ کے چہرے سے زیادہ مسکراتا ہوا اور کوئی چہرہ نہیں دیکھا۔حضرت عائشہؓ نقل کرتی ہیں کہ حضور جب بھی گھر میں داخل ہوتے آپ ﷺ کے چہرے پر مسکراہٹ ہوتی۔" یہ بات دل کو بھی لگتی ہے کہ اتنی حسین کائنات میں انسان آخر اپنے چہرہ کو بسورا ہُوا اور مرجھایا ہوا خشک اور غیر شگفتہ بنائے رکھے۔مسکراتا ہوا چہرہ حسین دل کا ترجمان ہے اور اس کا نتیجہ حسین شگفتہ اور شیریں گفتگو ہے۔

مولانا اصغر نے خوب کہا:

؎ یوں مسکرائے جان سی کلیوں میں پڑ گئی
یوں لب کشا ہوئے کہ گلستان بنا دیا

بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان کبھی رنج وفکر کا شکار ہوتا ہے۔ایسی صورت میں اس کی شگفتگی اور شرینی ضرور متاثر ہو جاتی ہے۔ایسے موقع کے لیے حضور اکرم ﷺ کی نصیحت یہ ہے کہ زبان کو بند رکھو۔ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ:

''جس شخص نے خاموشی اختیار کی (اپنی زبان پہ قابو پالیا) وہ نجات پا گیا۔''

خاموشی بذات خود ایک خوبی ہے اور غور وفکر کا ذریعہ ہے۔حکمت انہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو کچھ عرصہ خاموشی اختیار کیے رکھتے ہیں،لیکن جذباتیت کے مواقع پر خاموش رہ لینا اور اپنی زبان کو قابو میں لے لینا شخصیت کا سب سے بڑا حسن ہے۔حضور اکرم ﷺ نے مسلمان کی تعریف عجیب الفاظ میں ارشاد فرمائی ہے:

ترجمہ: ''مسلمان وہ ہے،جس کی زبان سے اور ہاتھ سے دیگر مسلمان محفوظ ہوں۔''

حضور اکرم ﷺ کے سامنے دو عورتوں کا ذکر کیا گیا۔ایک عورت تو صرف فرائض و واجبات کی حد تک ہلکی پھلکی اور بنیادی عبادات کرنے والی تھی۔دوسری عورت ساری ساری رات نفلیں پڑھتی تھی لیکن ہمسایہ عورتوں کے ساتھ سخت اور درشت باتیں کیا کرتی تھی۔حضور اکرم ﷺ نے پہلی قسم کی یعنی خوش کلامی کرنے والی عورت کو جنتی قرار دیا اور دوسری عورت کو آپ نے ناپسندیدہ قرار دیا۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''مومن نہ تو طعنے دینے والا ہوتا ہے اور نہ ہی لعنتیں بھیجنے والا ہوتا ہے۔قرآن مجید میں واضح طور پر ارشاد ہے:

ترجمہ ''تباہی ہے،ہر اس شخص کے لیے جو طعنے دیتا ہے اور عیب چنتا ہے۔وہ شخص جس نے

مال سمیٹا اور اسے گن گن کر رکھا۔ وہ خیال رکھتا ہے کہ اس کا مال سدا اسکے ساتھ رہے گا۔''
اس آیت سے ایک بنیادی بات معلوم ہوئی وہ یہ کہ زبان درازی، طعنہ کوئی اور عیب جوئی کی عادات اسی شخص میں ہوتی ہیں جو مال و دولت سمیٹنے کا رسیا ہو اور اس کا سارا بھروسہ مال و اسباب پر ہو۔ ایسا شخص انتہائی لالچی اور دولت کی محبت میں جائز و ناجائز ہتھکنڈے اختیار کرنے والا ہوتا ہے۔ اپنے ناجائز کاموں کا جواز ڈھونڈنے کے لیے وہ معاشرہ کے دوسرے لوگوں میں عیب ڈھونڈتا پھرتا ہے۔ جہاں اسے کسی کا عیب ملا وہ فوراً اس کی تشہیر کرتا ہے اور جگہ جگہ طعنے دیتا پھرتا ہے تاکہ لوگوں کی توجہ دوسروں کے عیوب پر رہے اور اسکے اپنے جرائم لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے طعنے دینے اور زبان کے غلط استعمال کو بدترین جرم قرار دیا ہے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ''زبان درازی سے زیادہ بری چیز آدمی کیلئے اور کوئی نہیں''۔
ایک اور جگہ فرمایا: ترجمہ ''یعنی غیبت زنا کے مقابلے میں زیادہ شدید جرم ہے۔

غور فرمایئے! کہ ایک بدکار شخص کے بارے میں یہ کہتے پھرنا کہ وہ بدکار ہے' خود بدکاری کے مقابلے میں زیادہ سنگین جرم ہے۔ سیدھا طریقہ یہ ہے کہ یا تو ایسے شخص کا یہ جرم عدالت میں ثابت کیا جائے جس کے لئے چار معزز گواہوں کی ضرورت ہے یا پھر اپنی زبان کو بند رکھا جائے ورنہ اس طرح زبان کھولنے کے جرم کی سزا اسلامی فقہ میں اسی کوڑے لگانے کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے زیادہ باتیں کرنے سے منع فرمایا ہے کہ اس میں لغو باتوں یا غیبت کا زیادہ امکان ہوتا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ زیادہ بولنے والا آدمی عام طور پر جھوٹا ہوتا ہے۔''

قرآن مجید میں بھی سختی کے ساتھ اس بات کی تاکید کی گئی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:
ترجمہ: ''ان لوگوں کی اکثر سرگوشیوں میں کوئی بھلائی نہیں ہوتی۔ ہاں مگر وہ لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں جو نیکی یا بھلائی کا یا لوگوں میں باہمی صلح کا مشورہ دیں۔''

حضور اکرم ﷺ نے منافق کی تین علامات ارشاد فرمائی ہیں:

پہلی یہ کہ بات کرے تو جھوٹ بولے۔

دوسری یہ کہ وعدہ کرے تو پورا نہ کرے۔

تیسری یہ کہ امانت میں خیانت کرے۔

غور فرمایئے کہ ان تینوں خصائل بد کا تعلق زبان کے غلط استعمال سے ہے۔معلوم ہوا کہ منافقت کا اصل سرچشمہ زبان ہے۔یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے زبان کو جسم کا انتہائی خطرناک حصہ قرار دیا۔

امام غزالیؒ کیمیائے سعادت میں لکھتے ہیں کہ انسان چار قسم کی باتیں کیا کرتا ہے:

۱۔ وہ باتیں جن میں نقصان ہی نقصان ہے۔
۲۔ وہ باتیں جن میں نفع کم اور نقصان زیادہ ہے۔
۳۔ وہ باتیں جن میں نقصان کم اور نفع زیادہ ہے۔
۴۔ وہ باتیں جن میں نفع ہی نفع ہے۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ان چار قسموں میں صرف آخری قسم ہی قابل قبول ہے بقیہ تینوں قسمیں چھوڑنے کے لائق ہیں۔ان باتوں سے معلوم ہوا کہ زبان کا صحیح استعمال انسان کی سب سے بڑی خوبی ہے۔

زُھد و قناعت

(طالب الہاشمی)

زُہد کا مطلب ہے راحت آخرت کی خاطر راحت دنیا کو ترک کر دینا۔ اس سے اپنے نفس کو تکلیف اور اذیت میں مبتلا کرنا مقصود نہ ہو بلکہ اصل مقصد اپنے نفس کا تزکیہ اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک پرہیز گاروں میں شمار ہونا ہو زہد حقیقی یہ ہے کہ میسر ہونے اور استعمال کی قدرت رکھنے کے باوجود حلال اور مباح اشیاء سے اپنے آپ کو محروم رکھا جائے۔ اگر کوئی شخص افلاس یا تنگ دستی کی وجہ سے یا کسی جسمانی عذر (بیماری وغیرہ) کی وجہ سے ایسا کرے تو وہ زہد نہیں ہوگا۔

قناعت کے معنی یہ ہیں کہ انسان اشیائے خورو ونوش میں صرف اشیائے ضرورت ہی پر اکتفا کرے اور مال جمع کرنے کی ہوس میں مبتلا نہ ہو۔ دوسرے لفظوں میں اللہ تعالیٰ نے اسے جو کچھ دے رکھا ہے اس پر راضی رہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ قناعت ایک ایسا خزانہ ہے جو کبھی فنا نہیں ہوتا۔

فی الحقیقت زہد و قناعت دونوں نہایت اعلیٰ درجے کی اخلاقی صفتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو ان صفات کے اعلیٰ ترین درجے پر فائز کیا تھا۔ یہاں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ زہد و قناعت سے ترک دنیا یا رہبانیت ہرگز مراد نہیں ہے۔ اسلام میں رہبانیت جائز نہیں ہے۔ حضور ﷺ نے حلال اور مباح چیزوں سے بقدر ضرورت فائدہ اٹھایا ہے لیکن ان کو عیش و تنعم کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ انتہائی سادہ (زاہدانہ اور فقیرانہ) زندگی کو پسند فرمایا۔ آپؐ کے زُہد و قناعت کی چند جھلکیاں ملاحظہ ہوں:۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

بہت سی راتیں مسلسل اس حالت میں گزرتی تھیں کہ آپ اور آپ کے گھر والے خالی پیٹ فاقے سے رہتے تھے کیونکہ رات کا کھانا نہیں پاتے تھے اور جب پاتے تھے تو ان کا رات کا کھانا عام طور پر بس جو کی روٹی ہوتی تھی۔

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ کبھی کبھی دو دو مہینے گزر جاتے تھے اور ہمارے گھروں میں چولھا نہ جلتا تھا۔ اہل خانہ (یعنی ہم لوگ) کھجور اور پانی پر گزارہ کرتے تھے۔ البتہ رسول اللہ ﷺ کے بعض انصاری پڑوسی تھے' ان کے ہاں دودھ دینے والے جانور تھے وہ حضور ﷺ کے لیے دودھ بطور ہدیہ بھیجتے تھے تو آپ ﷺ اس میں سے ہم کو بھی پلا دیتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے گھر والوں نے جو کی روٹی سے بھی دو دن متواتر پیٹ نہیں بھرا یہاں تک کہ آپ ﷺ اس دنیا سے اٹھا لیے گئے

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا دیکھا کہ آپ ﷺ نے شکم کو کپڑے سے کس کر باندھا ہوا ہے میں نے سبب دریافت کیا تو حاضرین میں سے ایک صاحب نے کہا کہ حضور ﷺ نے بھوک کی وجہ سے ایسا کیا ہے

ایک دفعہ بعض صحابہؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں فاقہ کشی کی شکایت کی اور اپنے پیٹ کھول کر دکھائے جس پر پتھر بندھے ہوئے تھے۔ حضورؐ نے اپنے شکم مبارک پر سے کپڑا اٹھا کر ان کو دکھایا تو اس پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔

حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ مسجد میں لیٹے ہیں اور بھوک کی وجہ سے بار بار کروٹیں بدلتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالٰی سے دعا کی کہ اے اللہ محمد کے متعلقین کی روزی بقدر کفاف ہو (یعنی جس سے زندگی قائم رہے)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کو اس حالت میں دیکھا کہ آپ کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں اور اس کے اور آپ کے جسم اقدس کے درمیان کوئی بستر نہیں ہے اور چٹائی کے پتوں نے آپ کے پہلوئے مبارک پر گہرے نشانات ڈال دیے ہیں (ایک اور روایت کے مطابق آپ کے جسم اطہر پر صرف ایک تہبد تھا) آپ کے سرہانے ایک تکیہ ہے جس میں کھجور کی چھال کوٹ کے بھری ہوئی ہے۔ یہ حالت دیکھ کر میں نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ! دعا کیجیے کہ وہ آپ کی امت کو خوش حالی عطا فرمائے۔ روم اور فارس والوں کو بھی تو اللہ نے خوش حال بنایا ہے حالانکہ وہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا: اے خطاب! کیا تم بھی ایسا سوچتے ہو؟ یہ سب تو وہ لوگ ہیں جو اپنی خدا فراموشی اور کافرانہ زندگی کی وجہ سے آخرت کی نعمتوں سے محروم کیے گئے ہیں اس لیے ان کو اسی دنیا میں عیش کی زندگی دے دی گئی ہے۔ بروایت دیگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر کیا تم اس پر راضی نہیں کہ ان کے لیے دنیا کا عیش ہو اور ہمارے لیے آخرت کا عیش۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے راستے میں مجھے اتنا ڈرایا دھمکایا گیا کہ کسی اور کو اتنا نہیں ڈرایا دھمکایا گیا اور ایک دفعہ تیس دن رات مجھ پر اس حال میں گزرے کہ میرے اور بلال کے لیے کھانے کی کوئی ایسی چیز نہ تھی جس کو کوئی جاندار کھا سکے۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صاحب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسا عمل بتلایئے کہ جب میں اس کو کروں تو اللہ بھی مجھ سے محبت کرے اور اللہ کے بندے بھی مجھ سے محبت کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا' دنیا کی طرف سے بے رغبت ہوجاؤ تو اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور جو لوگوں کے پاس (مال و جاہ) ہے اس سے بے نیازی اختیار کرلو تو لوگ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو یمن کی طرف روانہ کیا تو نصیحت فرمائی کہ اے معاذ! آرام طلبی اور عیش وعشرت سے بچتے رہنا' اللہ کے خاص بندے آرام طلب اور عیش وعشرت کے دلدادہ نہیں ہوتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے حال میں وفات پائی کہ آپ ﷺ کی زرہ ۳۰ صاع جو کہ بدلے ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی۔

نوٹ۔ ایک صاع تقریباً ساڑھے تین سیر یا تین کلو کے برابر ہوتا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بالعموم) جو کی روٹی کھاتے تھے۔ یہ ایسے موٹے آٹے کی ہوتی تھی کہ پانی کے گھونٹ کے بغیر حلق سے نیچے نہیں اترتی تھی۔ آپ ﷺ کے لیے کبھی پتلی چپاتی نہ پکائی گئی۔

حضرت اُم ایمن رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ آٹا چھان کر اس کی روٹی پکانی چاہی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: یہ کیسا آٹا ہے؟ وہ بولیں: ہمارے وطن میں ایسی ہی روٹی پکتی ہے۔ میں نے چاہا آج آپ کو اسی قسم کی روٹی کھلاؤں۔ ارشاد ہوا نہیں اس آٹے میں سے جو بھوسی نکلی ہے وہ اس میں ڈال دو اسے دوبارہ گوندھو۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی بھی کپڑا کبھی تہہ کر کے نہیں رکھا گیا یعنی آپ ﷺ کے پاس کپڑوں کا صرف ایک جوڑا تھا دوسرا نہیں تھا جو تہہ کر کے رکھا جاتا۔

اُم المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر چوہرا کر کے بچھادیا۔ آپ کو اس کی نرمی کے سبب ایسی گہری نیند آئی کہ حضرت بلالؓ کی اذان فجر سے پہلے بیدار نہ ہوئے۔ آپ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اے حفصہ تو نے آج جو کپڑا چوہرا کر کے میرے نیچے بچھادیا' اس کی نرمی نے آج رات کی نماز سے مجھے روک لیا اور میں فجر تک سوتا رہا۔ اے حفصہ! میرا دنیا سے کیا واسطہ اور نرم بستروں سے میرا کیا کام۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت سادہ اور موٹے (لیکن صاف ستھرے) کپڑے پہنتے تھے۔ بعض اوقات بھیڑ کی کھال کے بنے ہوئے کپڑے بھی پہن لیتے تھے۔ ایک دفعہ کسی نے ریشم کا شلوکہ نذر کیا۔ آپ نے اس کی دلداری کی خاطر اسے پہن لیا اور نماز ادا فرمائی پھر اسے نہایت کراہت اور نفرت کے ساتھ اتار ڈالا اور فرمایا' پرہیز گاروں کے لیے یہ لباس مناسب نہیں ہے۔ ایک دفعہ ایک ریشمی کپڑا بک رہا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ یہ کپڑا خرید لیں اور جمعہ کے دن یا سفیروں کی آمد پر زیب تن فرمایا کریں۔ آپ نے فرمایا یہ وہ پہنے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ہمارے سامنے ایک پرانا تہبند اور ایک پرانا کمبل جیسا کپڑا جس میں پیوند لگا ہوا تھا' نکالا اور فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات انہی دو کپڑوں میں ہوئی تھی۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مسکن چند چھوٹے چھوٹے حجروں پر مشتمل تھا۔ انہی میں

ازواج مطہرات رہتی تھیں ہر حجرے کی وسعت تین ساڑھے تین گز کے قریب تھی ۔ان کی بلندی محض اتنی تھی کہ آدمی اندر کھڑا ہو کر ہاتھ بلند کرتا تو وہ چھت کو چھو جاتا ۔حجروں کی دیواریں مٹی کی تھیں اوران پر کھجور کی ٹہنیوں اور پتوں کی چھت تھی ۔ان حجروں کے ساتھ نہ کوئی دالان تھا اور نہ صحن ۔ہر حجرے کے دروازے پر ٹاٹ یا کپڑے کا پردہ تھا۔ان حجروں کے علاوہ ایک معمولی بالا خانہ تھا جس کی کل کائنات یہ تھی ۔ایک بستر' ایک تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی' ایک چارپائی' ایک چٹائی ایک گھڑا ایک پیالہ اور ایک یا دو مشکیزے۔

تمام اہل وعیال وخانوادۂ نبوت کو ممانعت تھی کہ وہ پُرتکلف ریشمی لباس اور سونے کے زیور استعمال کریں ۔آپ ان سے فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم کو اس کی تمنا ہے کہ یہ چیزیں جنت میں ملیں تو دنیا میں ان کے پہننے سے پرہیز کرو۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک انصاری خاتون نے ایک بستر جس میں اون بھری ہوئی تھی' تیار کر کے رسول اللہ ﷺ کے لیے میرے پاس بھیج دیا۔ جب حضور تشریف لائے اور اس بستر کو دیکھا تو پوچھا' یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا' فلاں انصاری عورت نے آپ کے لیے بنوا کر بھیجا ہے ۔حضور نے فرمایا کہ اس کو واپس کر دو ۔مجھے وہ اچھا معلوم ہوتا تھا' اس لیے دل نہ چاہتا تھا کہ واپس کروں مگر حضور نے اصرار فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ اگر میں چاہوں تو اللہ تعالیٰ میرے لیے سونے اور چاندی کے پہاڑ چلتے ہوئے کر دے۔اس ارشاد پر میں نے وہ بستر واپس کر دیا۔

اہل فکرونظر

(حکیم محمد سعیدؒ)

یہ بحث اب پرانی اور بے مزہ ہوچکی ہے کہ فرد پہلے ہے یا معاشرہ پہلے ہے۔ پچھلی چند صدیوں میں بالخصوص اس مسئلے پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اور ماہرین عمرانیات کی اکثریت انتہاپسند نقطۂ نظر سے اپنی ترجیحات کا انبار لگاتی رہی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا تو صحیح نہ ہوگا کہ معاشرے کی تشکیل بالفعل ہمیشہ تراشیدہ نظریات پر استوار ہوتی رہی ہے' کیونکہ بارہا معاملہ اس کے برعکس ہی رہا ہے اور معاشرے کی تاریخ اس کے ارتقاء اور اس کی ہیئت ترکیبی سے اصول ومبادیات کا نظری نظام وضع کیا جاتا رہا ہے۔ ان امور پر آپ جو چاہیں رائے قائم کرلیں' کیونکہ اختلاف رائے کی فطری گنجائش موجود ہے' لیکن ایک نکتہ ایسا ہے جس پر ہمہ گیر اتفاق سے کسی کو تعجب نہیں ہونا چاہیے۔ وہ نکتہ یہ ہے کہ فیصلہ کن فوقیت وبالاتری سے قطع نظر معاشرے کو عظیم افراد اور اہل فکرونظر کی ہمیشہ ضرورت رہی ہے۔ بلاشبہ ہابز' ہیگل اور کارل مارکس کے نزدیک زیادہ اہمیت کسی نہ کسی زاویے سے فرد کے بجائے اجتماع کو حاصل رہی ہے اور جان ملز' بینتھم اور دوسرے وجودیت پسندوں کے بالمقابل ان کا زور واصرار ریاست یا کسی تاریخ ساز معاشرتی اصول پر تھا' لیکن کسی معروضی تجزیے میں یقیناً انہیں بھی اہل فکرونظر کی عظمتوں سے انکار نہ ہوتا۔ اندازہ کیجیے کہ خود مارکس' اینجلز' لینن اور ماؤ کے بغیر دنیا میں اشتراکیت ایک انقلابی قوت کے طور کیسے ابھر سکتی تھی؟

دراصل حقیقت سے قریب ترین موقف یہ ہے کہ جس طرح فرد کا وجود ربطِ ملت سے ہے اور موج کا وجود دریا ہی میں ترکیب پاتا ہے اسی طرح معاشرے کی زیست ہر ایک فرد اور بحر کی

برقراری ہرایک بوند پر منحصر ہوتی ہے۔اسے تسلیم کرلینے کے باجودبھی ایک بہت بڑی غلطی کا اندیشہ باقی رہتا ہے جوصرف انسانی معاشرے کی منفرد خصوصیت ہے۔انسانی معاشرے کی حقیقت صرف یہ نہیں ہے کہ اس میں فرداورتمام مخصوص گروہ انسانی کے مابین ایک باہمی تعامل کی پیہم کیفیت پائی جاتی ہے' بلکہ اسکے ساتھ یہ بھی ہے کہ عظمت فکروعمل سے ان دونوں میں تہذیبی حسن پیدا ہوتا ہے تہذیب سازی کی اس خصوصیت میں اگرچہ فرداورمعاشرے' دونوں کا حصہ ہوتا ہے لیکن باکمال افراداور نادر اصحاب فکرونظر اس میں خمیر کا کام دیتے ہیں جن کی وجہ سے کروڑوں انسانوں کی زندگی میں اُمنگیں رنگ بہار پیدا کرتی ہیں اور پورا معاشرہ ایک حیات نو سے ہم کنار ہوتا ہے۔

قدیم یونان کی شہری ریاستوں میں چوتھی' پانچویں صدی قبل مسیح کا زمانہ علم وحکمت کا سنہری دورشمار ہوتا ہے۔کیوں؟ کیااس لیے کہ اس زمانے میں وہاں تعلیم عام ہوگئی تھی؟ یقیناً تعلیم کافروغ اورعالم گیرخواندگی نہایت اہم ہیں اوران سے کسی طور پر بھی غفلت برتنا زوال وانحطاط کو دعوت دینا ہے نیز علم کی تحریک عام سے بڑے آدمی بھی زیادہ ابھرتے ہیں۔تاہم خواندگی کی خیرہ کن شرح بذات خودبڑائی کا بدل نہیں بن سکتی۔قدیم یونان کا سنہری دوراس لیے سرمایہ افتخار تھا کہ اس میں پیری کلزوسقراط جیسے فرزندان انسانیت پائے جاتے ہیں۔پھر آٹھویں سے پندرھویں صدی عیسوی تک بغداد' قرطبہ' غرناطہ' اشبیلیہ' نیشاپور' سمرقند' بخارا' قاہرہ اوردہلی میں آپ کو ایک جہان نوعلم وفکر کی روشنی سے جگمگا تا نظر آتا ہے۔یہ "**اقــــراء**" کا نورتھاجوان کے مراکز سے علم وحکمت کے عظیم علم برداروں نے معلوم دنیا کے کوشے کوشے میں پھیلا دیا تھا۔سوچیے! تو یہ چوٹی کے درجنوں افراد کا کرشمہ فکر تھا۔

البیــــرونـــی' فـــارابیـــد' غــــزالـــی' ابـــنـــالهیثم' الـخــوارزمـــی' عـمـــر خیام' الکندی' رازی' رومی' حافظ' الزاهروی' ابن رشد' ابن سینا اور ابن خلدون اسی کہکشاں کے تابندہ ستارے تھے۔

آگے چلئے تو مغرب کی نشاۃ ثانیہ سے آپ کو سابقہ پیش آتا ہے۔ جس طرح مردہ زمین بارش کے بعد جی اٹھتی ہے اسی طرح مغرب کے ویرانے میں رونق آئی۔ یہ بارش ایک طویل اور خاموش عمرانی عمل پر مشتمل تھی۔ تہذیب کی منتقلی کے اس احسان کو بعض دیدہ وراور انصاف پسند مغربی مفکرین نے اب تسلیم کرلیا ہے۔ اور رابٹ بریفالٹ نے فراخ دلی سے اعتراف کیا ہے کہ مغرب کی نشاۃ ثانیہ کا گہوارہ اٹلی نہیں، ہسپانیہ تھا، ماضی کی تاریخ کا وہ اندلس جس نے صدیوں علم و حکمت کے دریا بہائے اور یورپ کو سیراب کیا۔ ایرمس، روجر بیکن، فرانسس بیکن، کوپرنکس اور خود مارٹن لوتھر کی بصیرت کا سرچشمہ وہی سرزمین تھی جہاں سے جنوری سنہ ۱۴۹۲ء کے بعد یورپ کی نشاۃ ثانیہ کی محسن تہذیب "مسلمان تہذیب" کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک بربریت کے بدترین مظاہر کے ساتھ جڑ سے اکھاڑ پھینکا گیا۔ مغرب نے علم اور سائنس کے میدانوں میں جو عظیم پیش رفتیں کی ہیں اُن کی تخفیف وتردید ہرگز مقصود نہیں ہے، بلکہ کہنا صرف یہ ہے کہ اس کے اہل فکر ونظر کی ذہنی تربیت میں روما کے بجائے ہسپانیہ کی تحریک علمی اور اس کے باکمال علم برداروں کا ہاتھ تھا۔ مغرب نے شروع شروع میں اپنے فکری فرزندوں کو اپنی آبائی میراث کے باغی قرار دیا اور برونو اور کوپرنکس کا جو حشر کیا وہ اس کی کلیسا نہ علم دشمنی کا کھلا ثبوت تھا، لیکن آہستہ آہستہ علم اور سائنس کی آزاد تحریک جڑ پکڑ گئی اور پھر مغرب نے دل کھول کر اس سلیقے کو بھی چار چاند لگا دیے جو اہل فکر ونظر سے محبت کا صحیح عنوان ہے۔

دنیا کی ساری تہذیبوں سے ممتاز ہے وہ تہذیب جس نے "**اقرا**" کی عالمی تحریک کی بنیاد ڈالی۔ شاید یہ کہا جائے کہ اس تہذیب کا کوئی حوالہ آتے ہی ہم تحسین وستائش کے پل باندھنے لگتے ہیں۔ عدل وانصاف کے کسی بھی معروضی پیمانے سے بے لاگ استدلالی تجزیہ کیجیے دعلم وعمل اور تخلیق وتقویٰ کا ایک مربوط اور جامع نظام حیات آپکو اور کہاں ملتا ہے؟ اس کے علاوہ حسن وکمال کا ہم آہنگ مرقع، محبتوں سے بھرپور، عظمتوں کا امین، فکر میں بلند، عمل میں فطرتاً سہل اور کرۂ ارض کے تمام انسانوں کے لیے یکساں طور پر قابل حصول ایسا مجموعہ اقدار آپ کو کہاں ملے گا؟

یہاں برہمنیت یا پاپائیت نہیں ہے۔ یہاں انسانوں کے ایک حصے کو دائمی غلامی میں پابہ زنجیر نہیں رکھا گیا ہے۔ یہاں جمہوریت میں لفظاً عوام کی خدائی اور عملاً سرمائے کے دیو استبداد کا راج نہیں ہے یہاں انسان کو کسی ایسے استحصال کا نشانہ نہیں بنایا گیا ہے جس کے تحت تاریخ کی طبع زاد جدلی مادیت کا نام نہاد سائنٹیفک لبادہ اوڑھا کر بدترین استحصال کا دام ہم رنگ زمین بچھایا گیا ہو۔ یہاں تو اہل فکر ونظر معاشرے کا چراغ ہیں۔

میں یہ کس معاشرے کا ذکر کر رہا ہوں؟ شاید میں ماضی میں کھو کر حال کو بھول گیا ہوں۔ ہمارا معاشرہ تو وہ ہے جس میں قوم کا پہلا سبق یہ ہے کہ یہاں ہر وہ شے اور ہر وہ شخص عظیم ہے جو ہمارے بے کراں ہوائے نفس کو زیادہ سے زیادہ تسکین دے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کے پریس اور یہاں کے ذرائع ابلاغ کے نزدیک بالعموم ناچ گانے کے فن کار' سمگلنگ کے سردار' جرائم کے بادشاہ اور فساد فی الارض کے سیاسی فتنہ گر محبت و احترام کے زیادہ مستحق ہیں۔ آزادی سے محرومی کے بعد سے لے کر کل تک ہمارے معاشرے میں محبت و احترام کا اجارہ دار صرف جاگیردار' زمیندار اور کارخانے دار تھا اور وہ سمجھتا تھا کہ قانون تو محض بے بس کسانوں اور مزدوروں کے لیے بنا ہے اور آج یہ مذکورہ بالا لوگ بھی اسی خصوصی صف میں کھڑے ہیں۔ حیرت ہے کہ لکیر کا فقیر اشتراکی آج بھی صرف جاگیردار اور کارخانے دار کو تو سماج دشمن کہتا ہے' لیکن باقی سب' بلا تخصیص سیاسی' شورش پسندوں کی پشت پناہی کرتا ہے۔ جس معاشرے میں اقدار کی ساری کایا پلٹ کو مکمل آرام و سکون کے ساتھ ہضم کرنے کی روایت چل نکلے وہاں اہل فکر ونظر سے محبتوں کو تلاش کرنا خس و خاشاک کے ہمالیائی انبار میں ایک گمشدہ سوئی کے ڈھونڈنے کے مترادف ہے۔

اہل فکر ونظر سے محبت قرآن مجید کی پکار' اسلام کا نشان اور ہماری تہذیب کی پہچان ہے۔ اس ٹوٹے ہوئے رشتے کو جوڑ کر ہی ہم اپنی نشاۃ ثانیہ کی جانب مثبت قدم اٹھا سکتے ہیں۔ آیئے! اس روایت تابندہ کو دل و جان سے اپنانے کا عہد کریں۔

صحابہ کرامؓ اور اتباع رسول ﷺ

(مولانا محمد اویس سرور)

حضرت انس بن مالکؓ نے حضور ﷺ کے ہاتھ میں ایک چاندی کی انگوٹھی دیکھی (اور دوسرے لوگوں نے بھی دیکھی) تو لوگوں نے انگوٹھیاں بنوالیں۔ بعد میں حضور ﷺ نے وہ انگوٹھی اتاردی تو لوگوں نے بھی اتاردیں۔

حضرت ابوبکرؓ اور اتباع رسول ﷺ

ایک صحابی فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ حجر اسود کے پاس کھڑے ہوئے فرمارہے ہیں مجھے یہ معلوم ہے تم تو ایک پتھر ہو نہ نقصان دے سکتے ہو اور نہ نفع اور پھر حضور ﷺ نے اس کا بوسہ لیا۔ حضور ﷺ کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے حج کیا اور حجر اسود کے سامنے کھڑے ہوکر فرمایا ''مجھے یہ معلوم ہے کہ تم ایک پتھر ہو نہ نقصان دے سکتے ہو اور نہ نفع، اگر میں نے حضور ﷺ کو تمہارا بوسہ لیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تمہارا بوسہ نہ لیتا۔(۱)

حضرت عمرؓ اور اتباع رسول ﷺ

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت حفصہ بنت عمرؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا ''اے امیر المؤمنین! کیا ہی اچھا ہوتا اگر آپ اپنے ان (کھردرے) کپڑوں کے بجائے نرم کپڑے پہنتے اور اپنے اس کھانے سے زیادہ عمدہ کھانا کھاتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رزق میں بڑی وسعت عطا فرمادی ہے اور مال بھی پہلے سے زیادہ عطا فرمادیا ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا ''تمہارے خلاف دلیل میں تم سے ہی مہیا کرتا ہوں، کیا تمہیں حضورؐ کی مشقت اور تنگی والی زندگی

یاد نہیں، چنانچہ حضرت عمرؓ ان کو حضور ﷺ کی معیشت کی تنگی کے واقعات یاد دلاتے رہے یہاں تک کہ وہ رونے لگیں پھر ان سے فرمایا "تم نے مجھے یہ کہا ہے لیکن میرا فیصلہ یہ ہے کہ جہاں تک میرا بس چلے گا میں مشقت اور تنگی والی حضور ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ جیسی زندگی گزاروں گا تا کہ مجھے آخرت میں نعمتوں اور راحتوں والی ان دونوں حضرات جیسی زندگی مل سکے" (۲)

حضرت ابن عمرؓ اور اتباع رسول ﷺ

حضرت ابن عمرؓ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک درخت کے نیچے دوپہر کو آرام فرمایا کرتے تھے اور اس کی وجہ یہ بیان فرماتے کہ حضور ﷺ نے اس درخت کے نیچے دوپہر کو آرام فرمایا تھا۔

حضرت زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ کو دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں اور ان کے کرتے کی گھنڈیاں کھلی ہوئی ہیں نماز کے بعد میں نے ان سے اس بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا "میں نے حضور ﷺ کو ایسے ہی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے" (۲)

جب بھی حضرت ابن عمرؓ حضور ﷺ کا ذکر کرتے تو رو پڑتے اور جب بھی (اپنے مکہ والے) مکان کے پاس سے گزرتے تو اپنی دونوں آنکھیں بند کر لیتے۔(۳)

دل کی چوٹوں نے چین سے رہنے نہ دیا
جب بھی سرد ہوا چلی ہم نے تجھے یاد کیا

حضرت ابن سیرینؒ کہتے ہیں کہ میں میدان عرفات میں حضرت ابن عمرؓ کے ساتھ تھا جب وہ قیام گاہ سے چلے تو میں بھی ان کے ساتھ چلا۔ وہ امام حج کی جگہ پر پہنچے اور اسکے ساتھ ظہر اور عصر کی نمازیں ادا کیں پھر انہوں نے جبل رحمت پر وقوف فرمایا۔ میں اور میرے ساتھی بھی ان کے ساتھ چلے یہاں تک کہ (غروب کے بعد) جب امام عرفات سے مزدلفہ کی طرف روانہ ہوا تو ہم بھی حضرت ابن عمرؓ کے ساتھ وہاں سے چل پڑے۔

جب حضرت ابن عمرؓ ماز مین مقام سے پہلے ایک تنگ جگہ پہنچے تو انہوں نے اپنی سواری بٹھائی تو ہم نے بھی اپنی سواریاں بٹھا دیں۔ ہمارا خیال تھا کہ یہ نماز پڑھنا چاہتے ہیں تو حضرت ابن عمرؓ کے غلام نے جو سواری کو تھامے ہوئے تھے اس نے کہا نہیں یہ نماز نہیں پڑھنا چاہتے بلکہ انہیں یاد آ گیا ہے کہ حضورﷺ جب اس جگہ پہنچے تھے تو آپ قضائے حاجت کے لئے رکے تھے اس لئے یہ بھی یہاں قضائے حاجت کرنا چاہتے ہیں۔(۱)

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں حضرت ابن عمرؓ کے ساتھ تھے چلتے چلتے جب وہ ایک جگہ کے پاس سے گزرے تو راستہ چھوڑ کر ایک طرف ہو لئے، ساتھیوں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ راستہ کیوں چھوڑ دیا؟ انہوں نے فرمایا میں نے حضورﷺ کو یہاں ایسے ہی کرتے دیکھا تھا اس لئے میں نے بھی ایسے ہی کیا۔(۲)

حضرت نافعؒ کہتے ہیں حضرت ابن عمرؓ مکہ مکرمہ کے راستہ میں (سیدھا نہیں چلتے تھے بلکہ کبھی راستہ کے دائیں طرف) سواری کو موڑ لیا کرتے تھے (کبھی بائیں طرف) اور فرمایا کرتے تھے میں ایسا اس لئے کرتا ہوں تا کہ میری سواری کا پاؤں حضورﷺ کی سواری کے پاؤں والی جگہ پر پڑ جائے۔(۳)

حضرت ابن عمرؓ کی زندگی حیات نبویﷺ کا عکس اور پرتو تھی لوگ کہا کرتے تھے کہ ابن عمرؓ کو پابندی سنت کا والہانہ جنون تھا، صرف عبادات ہی میں نہیں بلکہ آنحضرتﷺ کے اتفاقی اور بشری عادات کی بھی وہ پوری پیروی کرتے تھے یہاں تک کہ جب وہ حج کے لئے سفر میں نکلتے تھے تو آنحضرتﷺ اس سفر میں جن جن مقامات پر اترتے تھے وہاں وہ بھی منزل کرتے تھے جن مقامات پر حضورﷺ نے نمازیں پڑھی تھیں وہاں یہ بھی پڑھتے تھے۔ حج کے سفر میں وہی راستہ اختیار کرتے جن راستوں سے آنحضرتﷺ گزرا کرتے تھے، انتہا یہ ہے کہ جس مقام پر حضورﷺ نے کبھی طہارت کی تھی اس پر پہنچ کر وہ بھی طہارت کر لیا کرتے تھے،

آنحضرت ﷺ مسجد قبا میں سوار اور پیادہ دونوں طریقوں سے تشریف لے گئے تھے، حضرت ابن عمرؓ کا بھی یہی عمل تھا آنحضرت ﷺ ذوالحلیفہ میں اتر کر نماز پڑھتے، ابن عمرؓ بھی یہی کرتے تھے خصوصاً ولیمہ قبول کرنا مسنون ہے حضرت ابن عمرؓ روزہ کی حالت میں بھی دعوت ولیمہ رد نہ کرتے تھے، اگرچہ اس حالت میں کھانے میں نہ شریک ہو سکتے تھے مگر داعی کے یہاں حاضری ضرور دیتے تھے آنحضرت ﷺ مکہ میں داخل ہونے کے قبل بطحا میں تھوڑا سا سو لیتے تھے، حضرت ابن عمرؓ بھی ہمیشہ اس پر عامل رہے عبادات کے علاوہ وضع قطع اور لباس وغیرہ میں بھی اسوہ نبوی ﷺ کو پیش نظر رکھتے تھے، چنانچہ ارکان میں صرف رکن یمانی کو چھوڑتے تھے ترویہ کے دن احرام کھولتے تھے رنگوں میں زرد رنگ استعمال کرتے تھے چپل پہنتے تھے لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں، فرمایا آنحضرت ﷺ بھی ایسا ہی کرتے تھے، غرض آنحضرت ﷺ کے وہ تمام حرکات وسکنات جو آپ نے بر سبیل سنت کیے یا طبعاً صادر ہوئے، ابن عمرؓ ان سب کی اقتداء کرنا ضروری سمجھتے تھے۔(۱)

حضرت ابن عباسؓ اور اتباع رسول ﷺ

ایک مرتبہ ایک آدمی نے آ کر حضرت ابن عباسؓ سے کہا ذرا یہ بتائیں کہ آپ لوگوں کو جو کشمکش کی نبیذ پلاتے ہیں کیا یہ سنت ہے جس کا آپ لوگ اتباع کر رہے ہیں یا آپ کو اس میں دودھ اور شہد سے زیادہ سہولت ہے؟ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا "حضور ﷺ ایک مرتبہ میرے والد حضرت عباسؓ کے پاس آئے۔ حضرت عباسؓ لوگوں کو نبیذ پلا رہے تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا مجھے بھی پلاؤ۔ حضرت عباسؓ نے نبیذ کے چند پیالے منگوائے اور حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کئے۔ حضور ﷺ نے ان میں سے ایک پیالہ لے کر اسے نوش فرمایا پھر فرمایا تم لوگوں نے اچھا انتظام کر رکھا ہے ایسے ہی کرتے رہنا تو اب حضور ﷺ کے اس فرمان کی وجہ سے نبیذ کے بجائے دودھ اور شہد کی سبیل کا ہونا میرے لئے باعث مسرت نہیں ہے"(۲)

حضرت انسؓ اور اتباع رسول ﷺ

حضرت انسؓ کو کدو بہت پسند تھا اور آپ اسے بڑے شوق اور رغبت سے تناول فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اس رغبت کی وجہ کچھ ان الفاظ میں بیان فرمائی:

''ایک مرتبہ (ایک دعوت میں) حضور ﷺ کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا۔ سالن میں کدو تھے آپ کدو کو بہت رغبت سے تناول فرمارہے تھے مجھے اندازہ ہوا کہ آپ کو کدو بہت پسند ہے پس میں کدو آپ کے سامنے رکھنے لگا تا کہ آپ آسانی سے انہیں تناول فرمائیں'' (۱)

دعائے مغفرت

ملتان سے ندیم عباس کے ماموں

ملتان سے خالد اختر کے بڑے بھائی

گوجرانوالہ سے الطاف بٹ کے والد

نوشہرہ ورکاں سے بھائی عارف کی پھوپھو

گکھڑ سے محمد سلیم کی والدہ

باباجان کے چچازاد بھائی محمد صدیق

راولپنڈی سے مشتاق جنجوعہ کے بڑے بھائی

بدو کی گسائیاں سے بہن کے پھوپھوزاد بھائی

بقضائے الٰہی وفات پا گئے ہیں (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّــا اِلَیْہِ رَاجِعونَ)

مرحومین کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا فرمائیں۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔ سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات ،مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔ زوال اُمت میں اُمراء ،علماء،صوفیاء کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔ تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پر اثرات۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔
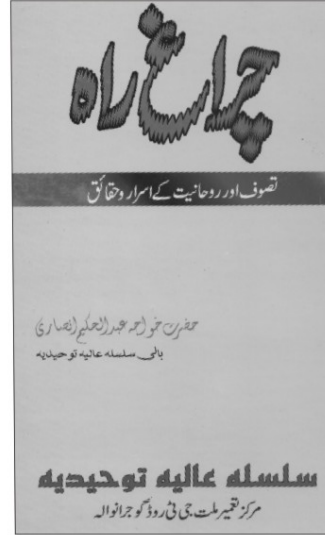
وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔ مصنّفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کردیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظّام کو ہوجانے والی غلط فہمیاں۔
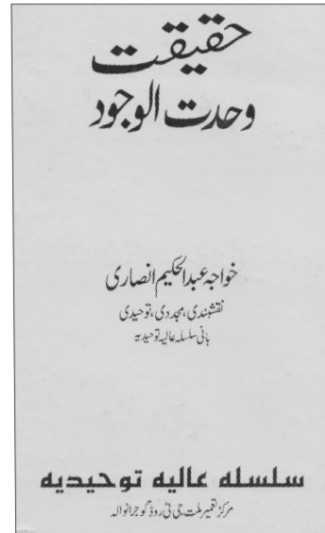
قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق و آداب کے اسرار و رموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔

یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمّل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد، اذکار اور اعمال و اشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبّت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

Reg: CPL - 01
Website www.tauheediyah.com